سیرۃ

حضرت ابوبکر صدیقؓ

از

ابو محمد امام الدینؒ

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب

ناشر

مائسمہ بازار میر کدل سرینگر کشمیر

مکتبہ تحفظ ملت۔ رام نگر بنارس

قیمت دو روپیہ

RGI

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
33274
12-5-60
SRINAGAR

St-09

CHECKED

297.64
A 37 S

JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
SRINAGAR

ALLAMA IQBAL LIBRARY
3274

فہرست

سیرت

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

از

ابو محمد امام الدین
رام نگری

مؤلف سیرت فاتح شام حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔ سیرت حضرت بلالؓ۔
سیرت حضرت ابو ایوب انصاریؓ۔ سیرت حضرت خدیجہ کبریٰؓ۔ سیرت
حضرت فاطمہ زہراؓ۔ نماز کے فضائل۔ معلم نماز۔ خاصان خدا کی نماز۔

ناشر

مکتبہ تحفظ ملت۔ رام نگر بنارس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ — میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے، یہ ارشاد جتنا حق ہے اتنا ہی حسین بھی ہے۔ رات کی تاریکی میں ہر چیز گم ہو جاتی ہے یا دھندلی دھندلی نظر آتی ہے، لیکن رات کی اسی تاریکی میں نیلگوں آسمان میں ستاروں کی جلوہ آرائی دیکھئے، کس طرح جگمگا رہے ہوتے ہیں، صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ سیرتوں کو دیکھئے تو ان کے مقابلے میں بھی ساری انسانیت تاریک اور دھندلی دکھائی دے گی، اس میں صحابہ کرامؓ کی سیرتیں ستاروں کے مثل جگمگاتی نظر آئیں گی،

رات کو بے شمار نظر آنے والے ستاروں میں ایک ماہتاب بھی ہے، جو اپنی تابانی اور درخشانی کے اعتبار سے بزم انجم کا صدر معلوم ہوتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرامؓ میں ایسے ہی ہیں جیسے ستاروں میں مہتاب۔ آفتاب رسالت کا نہایت مکمل پرتو، وہی تابانی و درخشانی، وہی حسن و جمال، وہی دلآویزی اور نظر فروزی، دیکھئے اور پھر دیکھئے، اور دیکھتے رہیئے، نہ آنکھوں کو سیری ہو اور نہ دل سیر ہو،

یہ کتاب جو آپ کے سامنے ہے، انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مبارک و منور سیرت ہے، جس کے صفحے صفحے میں سیرت صدیقی کے جلوے بکھرے اور نکھرے ہوئے ہیں، جس کا ہر صفحہ مظہر نور و جمال ہے، اسلام سے پہلے صاف ستھری زندگی گویا اسلام کے خیر مقدم کیلئے پہلے سے تیار، قبولِ اسلام میں پیش قدمی، مستحکم ایمان، ولولۂ تبلیغ، والہانہ عشقِ رسولؐ۔ عاشقانہ جانبازی، عمیق اسلامی اخوت و ہمدردی، شوقِ طاعت و عبادت، استقامت و ثابت قدمی

ایثار و اخلاص، جہاد و فداکاری، خوفِ خدا و اندیشۂ آخرت، زہد و تقویٰ، عجز و انکسار، عفو و درگذر علم و فضل، اتباعِ کتاب و سنت، اجرائے احکام و اوامرِ اسلام، نظمِ حکومت، قیامِ عدل، غرض تمام اوصافِ حمیدہ، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اپنے اپنے محل اور مقام پر ابھرے ہوئے جلی اور نمایاں ہیں، اور اہلِ ایمان و یقین کو دعوتِ نظر دے رہے ہیں،

سیرت ابوبکرؓ پہلی بار جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی تھی، وہ بوجوہ پٹنہ میں چھپی، کتابت میں اتنی خرابیاں تھیں جو بعد اصلاح بھی درست نہ ہو سکیں، اب دوسری بار اشاعت کیلئے کتاب پر نگاہ ڈالی گئی، تو معلوم ہوا عام مسلمانوں کی استعداد و صلاحیت کے لحاظ کے باوجود اس کا معیار بھی اونچا ہونا چاہئے چنانچہ تقریباً پوری کتاب دوبارہ لکھی گئی ہے، جو واقعات مختصر تھے، اور ان کے ضروری گوشے ترک ہو گئے تھے، ان کو مفصل اور واضح کر دیا گیا ہے، بہت ضروری اور اہم واقعات و کوائف بڑھا بھی دئے گئے ہیں، اور اس غرض سے نئی کتابیں بھی پیشِ نظر رکھی گئی ہیں، اب یہ کتاب پہلی کتاب سے کہیں زیادہ معیاری اور مفید ہو گئی ہے، جو حضرات اس کی پہلی اشاعت دیکھ چکے ہیں ان کے استفادہ کیلئے بھی اس اشاعت میں سامان موجود ہے،

حضرت ابوبکر صدیق کی سیرت میں جتنی کتابیں شائع ہیں وہ یا تو بہت ضخیم اور گراں قیمت ہیں جنکو ہر شخص خرید نہیں سکتا، اور زبان و مسائل کے اعتبار سے بھی وہ عام اور متوسط صلاحیتوں سے اونچی ہیں، جن سے اہلِ علم ہی کو دلچسپی ہو سکتی ہے، انکے برعکس کچھ کتابیں نہایت مختصر بچوں کیلئے لکھی گئی ہیں، پیشِ نظر کتاب کا معیار حجم، اور اسکی قیمت سب چیزیں ایسی ہیں کہ خواص، متوسط اور عوام ہر طبقہ کے لوگ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں، بلامبالغہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کا عطر ہے، جس کے مطالعہ کے بعد کسی بڑی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی،

اس کتاب کا مولف علم و عمل اور اخلاق و کردار ہر اعتبار سے تہی دامن اور نادار ہے، اسکی قبولیت اور افادیت سرتاسر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق بخشی پر موقوف ہے، اس لئے اس سے دعا ہے کہ وہ اس ناچیز سعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور مولف و قارئین کو اس سے فائدہ اٹھانے اور اپنے اعمال و اخلاق کو سنوارنے کی توفیق بخشے! — آمین!

بندۂ عاصی ابو محمد امام الدین

راقم محمد ناصر - ۱۴ اکتوبر ۱۹۵۹ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

نام ونسب

اسم مبارک عبداللہ، کنیت ابوبکر، لقب عتیق اور صدیق، آپ کے لقب عتیق کے متعلق ترمذی میں ہے کہ:۔

اِنَّ اَبَابَکْرٍ دَخَلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ فَقَالَ یَا اَبَابَکْرٍ اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ فَیَوْمَئِذٍ سُمِّیَ عَتِیْقًا

(ترمذی باب مناقب)

ایکبار حضرت ابوبکر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کو دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا تم خدا کی طرف سے دوزخ کی آگ سے آزاد ہو، اسی دن سے آپ عتیق کے نام سے موسوم ہوگئے،

صدیق اسے کہتے ہیں جو حد درجے کا سچا ہو، اور ہمیشہ سچ بولتا ہو، صدیق کسی کی پورے طور پر تصدیق کرنے والے اور اسے انتہا سے زیادہ سچا سمجھنے والے کو بھی کہتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں یہ دونوں وصف موجود

تھے، وہ خود بھی بڑے سچے تھے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کی سچائی کی تصدیق بھی بڑی شدت سے کی، اور بڑے بڑے آزمائشی مرحلوں پر کی، آپ کی پوری زندگی تصدیقِ رسالت کا نمونہ تھی، تاریخ الخلفاء میں ہے

قِيلَ لِمُبَادَرَتِهِ إِلَى تَصْدِيقِ رَسُولِ اللّٰهِ فِيمَا كَانَ يُخْبِرُ بِهٖ۔

آپ کا لقب صدیق اس لئے ہوا کہ آپ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تصدیق میں سب سے پیش پیش رہتے تھے،

اس بارے میں ایک روایت اور بھی ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا واقعہ بڑا ہی عجیب وغریب ہے، اور یہ مکہ معظمہ میں عین اس زمانے میں پیش آیا جب قریش انتہائی شدت کے ساتھ حضورؐ کی رسالت کا انکار کر رہے تھے اور بات بات پر آپ کا مذاق اڑا رہے تھے، ایسی حالت میں حضورؐ کو بجا طور اس کا خیال ہونا چاہیئے تھا کہ لوگ اس واقعہ کو سنیں گے تو اس کا ردِّ عمل کس صورت میں ہوگا؟ چنانچہ حضورؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ میری قوم میں اس واقعہ کی تصدیق کون کرے گا؟ انھوں نے جواب دیا، ابوبکر صدیق تصدیق کریں گے، وہ صدیق ہیں! (صدیق اکبر۔ بحوالہ ابن سعد)

چنانچہ یہ واقعہ بھی ہے کہ شبِ معراج کی صبح کو جب اس واقعہ کی بنا پر مکہ معظمہ میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی، قریش رُو در رُو اس واقعہ کو جھٹلا رہے تھے، اور بعض کمزور ایمان کے مسلمانوں کے ایمان کی جڑیں ہل گئی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر واقعۂ معراج کی تصدیق کی، آپ کے لقب صدیق کی شہرت اسی وقت سے ہوئی۔

حضرت صدیق اکبرؓ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ڈھائی تین سال

بعد خاندان تیم میں پیدا ہوئے، تیم قبیلہ، قریش کی ایک شاخ تھی، آپ کا شجرہ ساتویں پشت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ مبارک سے مل جاتا ہے، آپ کے والد ماجد کا نام ابو قحافہؓ تھا، اور والدہ ماجدہ کا سلمہ کنیت ام الخیرؓ تھی، سلسلہ نسب یہ ہے، عبداللہ بن عثمان (ابو قحافہ) بن عامر بن عمرو، بن کعب بن سعد، بن تیم بن مرہ، یہاں پہونچ کر یہ شجرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرے سے مل جاتا ہے، حضرت ابو قحافہ فتح مکہ کے روز اسلام لائے لیکن حضرت ام الخیر اوائل اسلام ہی میں مسلمان ہو گئیں،

اس زمانے میں مکہ میں کوئی باضابطہ حکومت نہ تھی، قبیلۂ قریش تمام قبائل میں بااثر اور با اقتدار تھا، اس کی دس شاخیں تھیں، انھیں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خاندان بھی تھا، اجتماعی امور و مسائل کے مختلف شعبوں کا کام انھیں خاندانوں کے سپرد تھا، بنو تیم کے سپرد قتل اور اس کے خون بہا کے معاملات کا انتظام کرنا تھا،

مسلمان ہونے سے پہلے

حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام سے پہلے بھی گوناگوں اوصاف و محامد کے حامل تھے، آپ کی فہم و بصیرت، معاملہ فہمی، اصابتِ رائے اور انصاف پسندی مشہور و مسلم تھی، لوگوں کو آپ پر جو اعتماد تھا وہ کسی دوسرے پر نہ تھا قتل کے کسی معاملے کا کوئی دوسرا شخص فیصلہ کرنا چاہتا تو اہلِ معاملہ اسے قبول نہ کرتے، قاتل کے حق میں صرف حضرت ابوبکرؓ کی ضمانت پر اعتماد کیا جاتا تھا، دوسروں کی ضمانت قابلِ اعتماد نہیں سمجھی جاتی تھی، (الصدیق بحوالہ

ابن عبد البر اور تاریخ الخلفاء)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیدائش ہی سے سلیم الفطرت تھے، یہی وجہ تھی کہ دعوت اسلام کے ظہور میں آنے سے پہلے ہی سے آپ مکہ اور عرب میں پھیلی ہوئی بہت سی گمراہیوں اور بداخلاقیوں سے محفوظ تھے، گویا اللہ تعالیٰ نے رسالت سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک ممدومعاون اور رفیق خاص تیار کر دیا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب میں شراب خواری عام تھی، اس لئے عہد اسلام میں ایکبار صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے زمانۂ اسلام سے پہلے کبھی شراب پی؟ آپ نے فرمایا۔ معاذ اللہ! ــــ وجہ دریافت کی گئی تو جواب دیا، میں اپنی عزت و شرافت کی نگہداشت رکھتا تھا، اور جو شخص شراب پیتا ہے وہ اپنی عزت و شرافت برباد کر دیتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

شراب ہی کی طرح تمام لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی فطری فہم و بصیرت کی وجہ سے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، بلکہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے، مہاجرین و انصار حضور نبوی میں حاضر تھے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا، ــــ وَعَیْشِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!۔ اِنْ لَّمْ اَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ۔ اے اللہ کے رسول! آپ کی حیات مبارک کی قسم! میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا، اس پر حضرت عمر فاروقؓ غضبناک ہو گئے، کہا ــ تم رسول خدا کی زندگی کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ میں نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ تم نے اتنے سال عہد جاہلیت میں گزارے، یہ کیسے ممکن ہے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ ہاں یہ حقیقت ہے، اس کے متعلق ایک واقعہ سن لو، ایکبار میرے والد ابو قحافہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک کوٹھری میں لے گئے، جس میں بت رکھے ہوئے تھے، ایک بت کو دکھا

کر کہا۔ یہ تمہارا معبود ہے، اسے سجدہ کرو، یہ کہہ کر مجھے وہیں چھوڑ دیا اور خود چلے گئے، میں نے بت کے پاس جا کر کہا۔ میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلا، اس نے کچھ جواب نہ دیا، میں نے کہا میں ننگا ہوں، مجھے کپڑے پہنا، اس نے کچھ جواب نہ دیا، میں نے ایک پتھر اٹھایا کہا۔ میں تجھے مارتا ہوں، اگر تو خدا ہے تو اپنے کو بچا، اس نے پھر بھی جواب نہ دیا، میں نے اس پر پتھر دے مارا، اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ (العتاقی بحوالہ قسطلانی)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فطرت کتنی روشن اور پاکیزہ تھی۔

قبول اسلام

حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر تو تھے ہی ہم مزاج وہم مذاق بھی تھے، اس لئے حضورؐ سے آپ کی گہری دوستی تھی، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضورؐ کے عقد میں حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں کا دخل تھا، (الصدیق بحوالہ اصابہ)

یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ حضرت ابوبکر میں اسلام سے قبل جو محاسن پائے جاتے تھے، وہ حضورؐ ہی کی صحبت کا اثر ہوں،

ایک بار حضرت صدیق اکبر بسلسلۂ تجارت شام گئے ہوئے تھے، انھوں نے وہاں ایک خواب دیکھا کہ آسمان سے ایک نور اترا، اور کعبہ کی چھت پر گرا، اس نور کا تھوڑا تھوڑا حصہ مکہ کے ہر گھر میں پہونچ گیا، پھر پہلے کی طرح یکجا ہو کر میرے گھر میں داخل ہو گیا، اور میں نے گھر کا دروازہ بند کر لیا،

صبح کو میں نے ایک یہودی سے اس خواب کی تعبیر پوچھی، مگر اس کی سمجھ

میں کوئی بات نہیں آئی، اس نے کہا: اس خواب کی کوئی اصلیت نہیں، یہ محض خیالی خواب ہے۔"

کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بحر شام جانا ہوا، آپ بحیرا راہب کی خانقاہ میں گئے، اور اس سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی، اس نے آپ کا وطن اور قبیلہ دریافت کیا، آپ نے جواب دیا۔ بحیرا نے کہا۔ تمہاری قوم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا، اس کی زندگی میں تم اس کے وزیر اور اس کے بعد اس کے خلیفہ ہوگے، حضرت ابوبکر شام سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور نے ان کو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی دعوت دی، جسے آپ نے معاً قبول کرلیا، (الصدیق بحوالہ ازالۃ الخفا)

سیرت ابن ہشام میں ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا دَعَوْتُہٗ اَحَدًا اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا کَانَتْ لَہٗ عَنْہُ کَبْوَۃٌ وَتَرَدُّدٌ وَنَظْرٌ اِلَّا اَبَابَکْرٍ مَا عَتَّمَ فِیْہِ حِیْنَ ذَکَرْتُہٗ وَمَا تَرَدَّدَ فِیْہِ۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا کوئی نہیں جسے میں نے اسلام کی دعوت دی ہو اور اس نے اس کے متعلق تذبذب، تردد اور سوچ بچار سے کام نہ لیا ہو، لیکن ابوبکر کے سامنے جب میں نے اس دعوت کو پیش کیا تو انھوں نے اس میں کوئی تامل و تردد نہیں کیا۔

اس بحث میں کہ قبولِ اسلام میں اولیت کسے حاصل ہے؟ صاحبِ تاریخ الخلفاء نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے۔

اِنَّ اَبَابَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ وَعَلِیٌّ اَوَّلُ مَنْ

مردوں میں جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ ابوبکر ہیں، لڑکوں میں جس نے سب سے پہلے اسلام

اَسْلَمَ مِنَ الصَّبِیِّ وَخُدَیْجَۃُ — قبول کیا وہ علیؓ ہیں، اور عورتوں میں جس نے
اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَتْ مِنَ النِّسَاءِ — سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ خدیجہؓ ہیں،

اشاعتِ اسلام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صرف مسلمان ہی نہیں ہوئے بلکہ اسلام کے داعی اور مبلغ بھی بن گئے، اور یہ آپ کی خصوصیت ہے، آپ کے فضائل و مراتب کے باعث آپ کے ملنے جلنے والوں کا ایک وسیع حلقہ تھا، قریش کے جو افراد آپ کی پاکیزہ سیرت اور عقل و اصابتِ رائے پر اعتماد کرتے تھے، آپ ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے، آپ کی دعوت سے بڑے بڑے معززین قریش حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے، ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ۔ حضرت زبیر بن العوامؓ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبداللہؓ۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت ابوسلمہؓ۔ حضرت خالد بن سعیدؓ

(ابنِ ہشام، ابنِ خلدون)

ان بزرگوں نے آگے چل کر اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں، اور روم و ایران کی سلطنتوں سے جہاد کر کے شام و ایران پر اسلامی علم نصب کر دیا۔

شرک و بت پرستی قریش کے اندر صدیوں سے اس طرح رچ بس گئی تھی کہ وہ صدائے توحید کو سننا تک گوارا نہ کر سکتے تھے، اور توحید ہی اسلام کی بنیاد تھی اس کا مقصد ہی شرک و بت پرستی کو مٹانا تھا، اس لئے تمام قوم اسلام کی شدید مخالف تھی، جو شخص اسلام قبول کرتا وہ قوم ہی میں نہیں اپنے خاندان میں بھی

مغضوب و مقہور ہو جاتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنے فضائل و محامد کے باوجود محفوظ نہ تھے، مگر اسلام کا وہ نشہ تھا جو روز بروز تیز سے تیز تر ہوتا چلا جا رہا تھا،

جب مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تک پہنچ گئی، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر یہ جذبہ پیدا ہوا کہ روسائے قریش کو مخاطب کیا جائے اور ان کو علانیہ اسلام کا پیغام سنایا جائے، چنانچہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی حضور نے فرمایا۔ ابھی ہماری تعداد کم ہے، اس طرح تین بار حضور نے تین بار توقف کا مشورہ دیا، لیکن بالآخر حضور اس کیلئے تیار ہو گئے، تمام مسلمان مسجد میں جمع ہوئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے، قریش کو خبر ہوئی تو وہ بھڑک اٹھے، اور مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کو بری طرح زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ جو اسلام دشمنی میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑا، اور اس قدر جوتے مارے کہ آپ کی ناک چپٹی ہو کر چہرے سے مل گئی، آپ کے قبیلہ بنو تیم کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے آئے اور آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے، آپ کی حالت اتنی نازک ہو گئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا آپ جانبر نہ ہو سکیں گے، آپ پر بیہوشی طاری تھی، ہوش آیا تو آپ کے والد ابوقحافہ نے آپ کا حال دریافت کیا، مگر آپ کو اپنی فکر تھی نہ کچھ، فکر تھی تو اللہ کے رسول کی جن کو آپ جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے تھے، اپنی خیریت بتانے کی بجائے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ محض خاندانی تعلق کی بنا پر آئے ہوئے تھے، ورنہ وہ بھی

اسلام کے دشمن ہی تھے، ان کو حضرت ابوبکر کا یہ سوال نہایت ناگوار گذرا، وہ خفا ہو کر چلے گئے، ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی ماں ام الخیر آپ کے پاس آئیں، اور کھانے پینے پر اصرار کرنے لگیں، آپ نے کہا "تم پہلے مجھ کو یہ بتا دو کہ رسول اللہؐ کس حال میں ہیں؟" انہوں نے کہا۔ "خدا کی قسم! مجھ کو ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا "تم خطاب کی بیٹی ام جمیل کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں رسول اللہؐ کا حال بتا دیں گی!" آپ کی ماں ام جمیل کے پاس گئیں اور ان سے کہا "میرے بیٹے ابوبکرؓ نے تم سے محمد بن عبداللہ کی خیریت پوچھی ہے"

اس وقت تک مسلمان کافروں کے خوف سے عام طور پر اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، ام جمیل بھی اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھیں، انھوں نے کہا۔ "میں نہ ابوبکر کو جانتی ہوں نہ محمد بن عبداللہ کو۔ ہاں تم چاہو تو تمہارے بیٹے کے پاس چلنے کو تیار ہوں"

ام الخیر ام جمیل کو اپنے ساتھ گھر لے گئیں حضرت ابوبکر بے خبر پڑے ہوئے تھے، حضرت ام جمیل نے حضرت ابوبکر کو اس حال میں دیکھا تو اسلامی محبت و ہمدردی کے جذبے سے بے تاب ہو گئیں، بے اختیار چیخ پڑیں، بولیں "جن لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ کٹر کافر ہیں، مجھے یقین ہے کہ خدا ان سے آپ کا انتقام لے گا"

حضرت ابوبکر نے پوچھا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے کہا۔ آپ کی ماں سن رہی ہیں، آپ نے کہا۔ کوئی حرج نہیں۔ تم بتاؤ "حضور صحیح و سلامت ہیں"۔ آپ نے پوچھا "اس وقت حضورؐ کا قیام کہاں ہے؟" انہوں نے بتایا "زید بن ارقم کے گھر میں"

حضرت ابوبکر نے کہا۔ خدا کی قسم! میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا، جب تک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ پہنچ جاؤں گا۔

ام جمیل ٹھہر گئیں، اور جب کچھ رات چلی گئی، اور لوگوں کی آمدورفت کم ہو جانے سے راستوں میں سناٹا ہو گیا تو وہ اور حضرت ابوبکر کی والدہ آپ کو سہارا دے کر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئیں، حضور نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو جوش محبت سے بیقرار ہو کر آپ پر جھک گئے، اور آپ کا بوسہ لیا، صحابۂ کرام بھی آپ پر جھک گئے، حضور پر رقت طاری ہو گئی،

حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! - ام جمیل کے ساتھ یہ میری ماں ہیں، یہ مجھ سے بڑی شفقت و محبت کا برتاؤ کرتی ہیں۔ لیکن انھوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا ہے، حضور کی ذات برکت والی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے ان کیلئے دعا کیجئے، کیا عجب ہے جو ان کو اسلام کی توفیق مل جائے، اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کی آگ سے نجات دے دے، (البدایہ والنہایہ)

حضور نے ام الخیر کے اسلام کیلئے دعا کی، اور انہیں اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئیں،

رسول اللہ کی حمایت

جیسے جیسے اسلام ترقی کرتا جاتا تھا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کی مخالفت وعداوت بھی ترقی کرتی جاتی تھی، اس نازک زمانے میں حضرت ابوبکر ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کیلئے تیار رہتے اور ہر خطرے کا آگے بڑھ کر مقابلہ کرتے، ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے

تھے کہ ایک کافر آگیا جس کا نام عقبہ بن ابی معیط تھا، اس نے حضورؐ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچنا شروع کیا کہ حضورؐ کا گلا گھٹنے لگا، اتنے میں حضرت ابوبکرؓ پہونچ گئے، اور اس کو حضورؐ سے الگ کر کے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ "کیا تم اتنی سی بات پر ایک شخص کو مارے ڈال رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ ہی میرا پروردگار ہے، حالانکہ وہ تمہارے پروردگار کی طرف سے اپنی سچائی کی بہت سی نشانیاں لے کر تمہارے پاس آیا ہے۔" (بخاری)

حضرت ابوبکرؓ کی اس جرأت وہمت کو دیکھ کر کسی کافر نے کہا۔ "یہ کون شخص ہے؟" دوسرے شخص نے جواب دیا، "یہ ابو قحافہ کا پاگل بیٹا ہے" وہ کافر واقعی حضرت ابوبکرؓ کو دیوانہ نہیں سمجھتا تھا بلکہ ساری قوم حضورؐ کی دشمن تھی، اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حضور کا ساتھ دینا اس کے نزدیک دیوانگی کی بات تھی،

ایک دن اس سے بھی سخت واقعہ پیش آیا، کفار کعبہ میں بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کر رہے تھے، اور آپ ان کے بتوں کے متعلق جو کچھ فرمایا کرتے تھے اس کا بھی تذکرہ ہو رہا تھا، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز پڑھنے پہونچ گئے، کافروں کا غصہ بھڑکا ہوا تھا، آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، اور آپ ان کے دیوتاؤں کے بارے میں جو کچھ کہا کرتے تھے اس کے متعلق پوچھنے لگے، حضورؐ کسی بات کو چھپاتے نہ تھے، اس موقع پر بھی آپ نے سچ سچ کہہ دیا، یہ سنتے ہی سب کے سب آپ سے لپٹ گئے، کسی نے جا کر حضرت ابوبکرؓ کو اس حالت کی خبر کی، آپ دوڑے ہوئے آئے، اور کافروں کو سمجھانے لگے،

کافر حضورؐ کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو مارنے لگے، اور اتنا مارا کہ گھر جانے کے بعد جب آپ اپنے سر پر ہاتھ پھیرتے تو ہاتھ میں سر کے بال آجاتے۔ (استیعاب)

مشرکین نے پہلے تو خوف اور لالچ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت سے روکنا چاہا لیکن جب اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی تو وہ ظلم وستم پر آمادہ ہوگئے، اور حضورؐ کو تکلیف واذیت دینے لگے،

قریش کے بڑے بڑے خاندانوں کے افراد حلقہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن کسی میں حوصلہ نہ تھا کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے مظالم سے بچانے کیلئے آگے بڑھتا۔ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک ذات تھی جو ایسے ہر نازک مرحلہ پر جاں نثاری کے لئے تیار رہتی تھی،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے دیکھا، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر رکھا ہے، کوئی حضورؐ کو پکڑ کر کھینچتا ہے، کوئی دھکہ دیتا ہے، اور سب کے سب کہہ رہے ہیں کیا تو ہی وہ ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک کر دیا ہے، یہ منظر اتنا ہولناک تھا کہ ہم میں سے کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہ تھی، صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حوصلہ تھا کہ وہ آگے بڑھے۔ کسی کو مارا، کسی کو دھکہ دیا، کسی کو پیچھے ہٹایا، آپ یہ سب کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے، اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ (یعنی بدبختو! کیا تم اس شخص کو ہلاک کر ڈالو گے جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے)۔

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فاتح خیبرؓ کا دل بھر آیا۔ چادر سنبھالی اور رونے لگے، اتنا روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی،

روتے ہوئے لوگوں سے پوچھا، بتاؤ، آلِ فرعون کا مومن افضل تھا یا ابوبکر

افضل تھے، لوگ خاموش تھے، آپ نے پھر سوال کیا۔ کیا تم مجھے جواب نہ دوگے؟ پھر خود ہی فرمایا۔ ابوبکرؓ کا ایک لمحہ آلِ فرعون کے مومن جیسے شخص کے ہزار لمحوں سے بہتر ہے، اس لئے کہ وہ اپنا ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور ابوبکرؓ اپنے ایمان کا علانیہ اظہار کرتے تھے، (صدیقِ اکبرؓ)

غلامانِ اسلام کی آزادی

جو لوگ سب سے پہلے اسلام لائے تھے ان میں ایک تعداد غلام اور لونڈیوں کی بھی تھی، جن کے آقا مشرک اور اسلام کے کٹر دشمن تھے ان غلام اور لونڈیوں کے نام یہ ہیں، :-

حضرت عامر بن فہیرہؓ۔ حضرت بلالؓ۔ حضرت ابوفکیہہؓ۔ حضرت لبینہؓ، حضرت زنیرہؓ۔ حضرت نہدیہؓ۔ حضرت ام عبیسؓ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بڑے سے بڑے خاندان کے لوگ بھی مشرکین کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے، تو ان غلاموں اور لونڈیوں پر جو مظالم ڈھائے جاتے تھے، ان کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟ حضرت بلالؓ مکہ کے رئیس امیہ بن خلف کے غلام تھے، وہ آپ کو دوپہر کی تپتی دھوپ میں زمین پر لٹا کر سینے پر پتھر کی اتنی وزنی سل رکھ دیتا، کہ آپ ہل نہ سکتے، اور کہتا کہ محمد کے دین کو چھوڑ کر لات اور عزیٰ کو پوجو، ورنہ اسی حالت میں مر جاؤگے، لیکن حضرت بلال کی زبان پر احد۔ احد" ہی جاری رہتا۔ یعنی" اللہ ایک ہے۔ اللہ ایک ہے" ان کے گلے میں رسی باندھ کر لونڈوں کو دے دیتا وہ شہر بھر میں آپ کو گھسیٹتے پھرتے، اس حالت میں بھی آپ احد۔ احد" ہی پکارتے ہوتے،

حضرت عامر بن فہیرہؓ پر بھی اسی طرح کے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے،

حضرت ابو فکیہہ رضؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، صفوان بن امیہ ایسی سخت دھوپ میں جب زمین تپ کر توا ہو جاتی تھی آپ کو منہ کے بل لٹا کر کمر کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیتا، تاکہ آپ ہل بھی نہ سکیں، آپ کو اتنی تکلیف دیتا، کہ آپ بے ہوش ہو جاتے، اسی حالت میں آپ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹتا، ایک بار تو آپ کو تپتی ہوئی ریت میں لٹا کر اتنا مارا کہ اپنے نزدیک گویا مار ہی ڈالا،

حضرت زنیرہ حضرت عمرؓ کے خاندان کی باندی تھیں، آپ اس وقت تک اسلام کے سخت مخالف تھے، آپ ان پر طرح طرح کی سختیاں کرتے، ایک بار ابوجہل نے ان کو اتنا مارا کہ دونوں آنکھیں خراب ہو گئیں، حضرت لبینہؓ، حضرت نہدیہؓ اور حضرت ام عبیسؓ پر بھی اسی طرح کے مظالم ہو رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان مظلوم اور ستم رسیدہ غلاموں اور لونڈیوں کی حالت دیکھ نہ سکے، آپ نے بڑی بڑی قیمتیں ادا کر کے ان مظلوموں کو ان کے مالکوں سے خریدا اور اس ظلم و ستم سے رہا کیا، جس وقت آپ اسلام لائے آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جن کی قیمت آج کل کے دس ہزار روپئے سے بھی زیادہ ہوتی ہے، اب آپ کا مال اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کی اعانت و امداد میں صرف ہو رہا تھا،

ترکِ وطن کا اقدام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز اور تلاوتِ قرآن سے انتہائی شغف تھا، اور حق یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اسلام کی جان ہیں، اور ان دونوں سے تعلق خاطر ایمان کی دو کھلی ہوئی علامتیں ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز اور تلاوتِ قرآن بھی غیر معمولی جذب و کشش اور کیف و اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھیں، جائے وہ نماز

اور تلاوتِ قرآن کر قریش کی عورتیں اور نوجوان تک کھنچ کر حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہو جاتے، قریش یوں ہی اسلام کی اثر انگیزی سے خائف اور ہراساں تھے، دیکھتے تھے کہ مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ہو رہے ہیں پھر بھی اچھے خاصے لوگ اسلام قبول کرتے چلے جا رہے ہیں، اور جو ایکبار مسلمان ہو جاتا ہے اس کو کوئی ظلم و تشدد اسلام سے پھیر نہیں سکتا، اس لیئے وہ قرآن مجید کو سحر اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کہتے تھے، ان کو بڑا اندیشہ رہتا تھا کہ کون جانے کب ان کی کس عورت یا نوجوان پر حضرت ابوبکر کی تلاوت کا اثر ہو جائے، اس لئے وہ حضرت ابوبکر کے علانیہ نماز پڑھنے اور تلاوت کرنے کے روادار نہ تھے،

مسلمانوں کی ایمانی استقامت اور اسلامی ثابت قدمی کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی محبوب سے محبوب شئے کو چھوڑ دینے پر تیار رہتے تھے مگر ایمان و اسلام کو کسی حالت میں چھوڑنا ان کو گوارا نہ تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ستم رسیدہ مسلمانوں کو اجازت دے دی تھی کہ ان میں سے جو چاہے ہجرت کر کے حبشہ چلا جائے، چنانچہ بہت سے صحابہ حبشہ چلے گئے تھے، حضورؐ سمجھتے تھے کہ جن کے دلوں میں اسلام کی آگ روشن ہو چکی ہے وہ چاہے جہاں بھی جائیں ان کے سینے اسلام کی حرارت سے گرم رہیں گے، وہ ٹھنڈے ہونے والے نہیں مسلمان ایک روشن شمع ہیں، ان کا وجود ہی سر تا پا دعوت اسلام ہے، وہ جہاں جائیں گے اسلام کی روشنی پھیلے گی، چنانچہ یہی ہوا، یہ مہاجرین ہی تھے جن کے ذریعہ حبشہ کے دربار میں اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ اور شاہِ حبشہ نے اسلام کی حقانیت کا برملا اعتراف کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے بھائی حضرت جعفر طیار رضؓ کی وہ تقریر جو آپ نے دربار حبشہ میں فرمائی تھی سیرت کی کتابوں میں آج بھی موجود ہے۔

ہے اور وہ اسلامی تعلیمات کے محاسن کی ایک بولتی ہوئی تصویر ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق کو بھی ہجرت حبشہ کی اجازت دیدی، لیکن آپ کو شمع رسالت کا پروانہ بن کر جلتے رہنا اور اسی پر قربان ہونا مقدر تھا، راستے سے تقدیر پھر آپ کو مکہ واپس لے آئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی کو حبشہ جاتے ہوئے راستے میں قبیلہ قارہ کا سردار ابن دغنہ ملا اس نے پوچھا۔ ابو بکر! کہاں کا قصد ہے؟۔ آپ نے جواب دیا، میری قوم نے مجھے ترک وطن پر مجبور کر دیا، میں چاہتا ہوں کہ دنیا کی سیاحی کروں اور اسی حالت میں اپنے رب کی یاد کرتا رہوں۔"

ابن دغنہ آپ کے اوصاف و محاسن سے واقف تھا، اس نے کہا تمہارے جیسا شریف انسان نہ خود ترک وطن کر سکتا ہے اور نہ اس کی قوم اسے ترک وطن پر مجبور کر سکتی ہے، تم محتاجوں کی مدد کرتے ہو، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہو، لوگوں کے بار برداشت کرتے ہو، مہمانوں کی خدمت کرتے ہو، تکلیف و مصائب میں لوگوں کے کام آتے ہو، تمہاری حفاظت کا میں ذمہ لیتا ہوں، تم واپس چلو، اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت و بندگی کرو،

آپ ابن دغنہ کے ساتھ مکہ واپس آئے، شام کا وقت تھا، ابن دغنہ نے مکہ کے سرداروں سے مل کر کہا۔ ابو بکر نہ خود کہیں وطن چھوڑ کر جا سکتے ہیں اور نہ ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو محتاجوں کی مدد کرتا ہے، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے، لوگوں کے بار خود برداشت کرتا ہے، مہمانوں کی خاطر و مدارات کرتا ہے، تکلیف و مصیبت میں لوگوں کے کام آتا ہے؟

سرداران مکہ نے کہا۔ تم ابوبکر سے کہو۔ وہ اپنے مکان کے اندر اپنے رب کی عبادت کریں، وہیں نماز اور جو کچھ چاہیں پڑھیں، ہم کو تکلیف نہ دیں، اور وہ جو کچھ کرتے ہیں علانیہ نہ کریں، ورنہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں اور نوجوان گمراہ ہو جائیں گے،

ابن دغنہ نے سرداران مکہ کی یہ شرط حضرت ابوبکرؓ کو سنا دی، آپ نے کچھ دنوں تک تو اس شرط پر عمل کیا، گھر کے اندر ہی عبادت کرتے اور نماز پڑھتے، تلاوت بھی آپ گھر کے اندر ہی کرتے، لیکن اس قید و بند کے ساتھ آپ کو نماز اور عبادت میں لطف نہ آتا، شاخ پر چہچہانے والا طائر کہیں قفس میں بھی خوش رہ سکتا ہے؟ آپ نے دروازے پر ایک مسجد بنا لی، اسی میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے، قریش کی عورتیں اور نوجوان آپ کے پاس جمع ہو جاتے، اور متاثر ہوتے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن مجید پڑھتے تو آپ پر رقت طاری ہو جاتی آپ اس قدر روتے کہ آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگ جاتی، قریش کو پھر یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کی عورتیں اور نوجوان اپنے دین سے منحرف ہو جائیں گے انہوں نے ابن دغنہ کو بلا بھیجا اور اس سے کہا، ہم نے تمہارے پناہ دینے پر ابوبکر کو اس شرط پر پناہ دی کہ وہ اپنے مکان کے اندر عبادت کریں گے لیکن انھوں نے دروازے پر عبادت گاہ بنائی ہے، اور اس میں علانیہ نماز اور قرآن پڑھنے لگے ہیں، ہمیں خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور نوجوان گمراہ نہ ہو جائیں۔ تم ابوبکر کو اس سے منع کرو، وہ اس سے باز آجائیں تو خیر، اور اگر وہ علانیہ پڑھنا چاہتے ہیں تو تم اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤ، ہم نے تم سے جو عہد کیا ہے اس کا توڑنا ہمیں پسند نہیں، پھر بھی ہم ابوبکرؓ کو علانیہ عبادت کرنے کی

The J & K University Library
Acc. No. 33271

اجازت نہیں دے سکتے،

ابن دغنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، ان سے کہا۔ تم کو معلوم ہے کہ قریش کے ساتھ کس شرط پر میرا معاہدہ ہے تم یا تو اس شرط پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے سبکدوش کر دو، مجھے یہ گوارا نہیں کہ عرب میرے متعلق یہ کہیں کہ میں نے جس شخص کو پناہ دی تھی، اور اس کے متعلق جو معاہدہ کیا تھا وہ توڑ دیا گیا،

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ تم میری پناہ دہی کی ذمہ داری سے آزاد ہو۔ میں خدا کی پناہ میں راضی اور خوش ہوں، (بخاری کتاب الکفیلہ)

مومن کی شان

نبوت کے بارہویں برس رجب کے مہینے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، حضورؐ رات میں سو رہے تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر آئے اور حضورؐ کو اس پر سوار کر کے بیت المقدس چلے گئے، وہاں سے آپ آسمان پر تشریف لے گئے، اور رات کے بہت تھوڑے حصے میں آسمانوں کا مشاہدہ کر کے مکہ میں واپس آ گئے، یہ سب کچھ خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا، جو انسانی عقل میں نہیں آ سکتا، لیکن خدا کے نزدیک یہ کچھ بھی مشکل نہیں، اس کی قدرت میں سب کچھ ہے۔

معراج کی رات کی صبح کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل آیا، جو حضورؐ کا سخت مخالف تھا، اس نے طنز کے طور پوچھا۔ کیا آج کی رات کو بھی کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں!

اور رات کا واقعہ بیان کر دیا۔ ابوجہل بولا۔ "اور اتنا بڑا سفر کر کے آپ صبح یہاں موجود بھی ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں"۔

ابوجہل نے قریش کو آواز دی اور وہ جمع ہو گئے، حضورؐ نے ان کے سامنے معراج کا واقعہ بیان کر دیا، چونکہ یہ واقعہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا تھا، اس لئے جن لوگوں کا خدا اور رسول پر سچا ایمان تھا انہوں نے حضورؐ کے بیان کو سچ مان لیا، لیکن کافروں نے اس کے ماننے سے انکار کر دیا تالیاں پیٹنے لگے اور کچھ نے تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور بعض مسلمان بھی جن کے ایمان کمزور تھے اسلام سے پھر گئے۔

اُدھر قریش کے کچھ آدمی دوڑے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا۔ "لو آج تو تمہارے رسول ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں"۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:۔ "اگر واقعی حضورؐ نے یہ باتیں بیان فرمائی ہیں تو بالکل سچ ارشاد فرمایا ہے، اور میں تو حضورؐ کی ایسی بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں جو اس واقعہ سے بھی عجیب ہے یعنی اس وحی کی تصدیق کرتا ہوں جو صبح شام آسمان سے آپ کے پاس آتی رہتی ہے" (ابن اثیر)

یہ ہے ایمان کی شان! ایک مسلمان کا یہی رویہ ہونا چاہیئے کہ جس کو خدا کا رسول مان لیا وہ جو کچھ خبر یا حکم دے، اسکو سچ مان کر اس کے سامنے سر جھکا دے۔ مسلمان کی یہ شان نہیں ہے کہ رسول کو رسول مان کر پھر اس کی بات میں شک و شبہ کرے۔

ہجرت اور رفاقت نبوی

حج کے زمانے میں عرب کے ہر حصہ کے لوگ مکہ آتے تو حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دیتے، ایک سال مدینہ کے لوگوں سے حضور کی ملاقات ہوئی، حضور نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ سب چھ آدمی تھے، ان لوگوں کی کوششوں سے مدینہ میں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا، دوسرے سال حج کے موقع پر مدینہ کا اسلامی قافلہ بارہ آدمیوں پر مشتمل تھا، مدینہ میں برابر اسلام پھیلتا جا رہا تھا، تیسرے سال مدینہ کے مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جس میں ستر افراد تھے، حج کیلئے مکہ معظمہ آئی، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی، بات چیت کے بعد یہ طے ہوا کہ حضور مسلمانوں کو لے کر مکے سے مدینے چلے آئیں، مدینہ کے مسلمان ہر طرح حضور کی حفاظت اور مسلمانوں کی مدد کریں گے، اس فیصلہ کے مطابق حضور نے مکہ کے مسلمانوں کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی، اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا

قریشِ مکہ کو صحابہ کرام کے مدینہ جانے کی خبر ہو چکی تھی، ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اندیشہ ہوا کہ آپ بھی جلد ہی مدینہ چلے جائیں گے اور وہاں جاکر اتنی طاقت حاصل کرلیں گے کہ پھر ان پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا، چنانچہ سردارانِ قریش نے ایک خفیہ جلسہ کیا جس میں مختلف تجویزیں پیش ہوئیں، کسی نے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے، کسی نے تجویز پیش کی کہ جلاوطن کر دیا جائے، ابوجہل جو حضور کی دشمنی میں ممتاز تھا بولا، یہ دونوں تجویزیں صحیح نہیں، تم ان کو زیادہ عرصہ تک قید و بند کی حالت میں نہیں رکھ سکتے، اور اگر تم نے ان کو جلاوطن کر دیا تو بھی نتیجہ یہی ہوگا، کہ وہ تمہارے اختیار سے نکل جائیں گے، صحیح صورت یہ ہے کہ ان کا کام ہی تمام کر دو، اس کا طریقہ یہ ہو کہ ہر قبیلے سے ایک ایک شخص کا انتخاب کیا جائے،

اور پورا گروہ ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کردے۔ بنی ہاشم کیلئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ تمام قبیلوں کے مقابلے میں انتقام کیلئے کھڑے ہو سکیں۔ اس تجویز پر سب کا اتفاق ہوگیا، اور شام کے جھٹپٹے میں سب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ مبارک گھیر لیا، تاکہ آپ باہر نکلیں تو آپ کا کام تمام کردیا جائے۔

صحابۂ کرام نے باری باری مدینہ منورہ کی طرف کوچ کرنا شروع کردیا تھا، یہاں تک کہ جو لوگ بھی ہجرت کی استطاعت رکھتے تھے وہ سب ہجرت کر گئے، صرف حضرت ابوبکر صدیق رضؓ حضرت علیؓ، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ گئے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے سناٹے میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، حضرت ابوبکر مکان کے اندر بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے حضور کو آتے دیکھ کر حضرت ابوبکر کو اطلاع دی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، چونکہ یہ وقت حضورؐ کے تشریف لانے کا نہ تھا حضرت ابوبکرؓ جلدی سے باہر نکلے، اور عرض کیا۔ میرے باپ ماں آپ پر قربان! ناوقت کیسے تشریف لانا ہوا؟ کیا کوئی اہم کام ہے؟ حضورؐ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دی، اندر تشریف لے گئے، تو فرمایا۔ لوگوں کو یہاں سے الگ کردو، کچھ پوشیدہ باتیں کرنی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور کا عقد ہو چکا تھا، پھر بھی گھر بھر حضور کا جاں نثار تھا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یہاں سب حضورؐ کے گھر والے ہی ہیں۔ کوئی غیر نہیں ہے، فرمایا۔ مجھ کو ہجرت کی اجازت مل گئی ہے حضرت ابوبکرؓ نے بڑی بے چینی سے پوچھا: میرا باپ آپ پر فدا ہو، کیا مجھ کو بھی معیت کا شرف حاصل ہوگا؟ فرمایا ہاں۔! حضرت ابوبکرؓ نے اس موقعہ کیلئے چار مہینے سے

دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کیا، دو اونٹنیوں میں سے حضور جسے پسند فرمائیں اپنے لئے لے لیں، حضورؐ نے قیمت کے ساتھ یہ پیش کش قبول فرمائی، اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کا سب کچھ حضورؐ کے قدموں پر نثار تھا، اور نثار کرتے بھی رہتے تھے، لیکن حضورؐ کے ہر ارشاد کے سامنے سر جھکا دینا ہی وہ اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے، حضورؐ تمام معاملات طے کر کے واپس تشریف لے گئے،

قریش نے اپنی قرارداد کے مطابق سر شام ہی سے کاشانۂ نبوت کا محاصرہ کر رکھا تھا، کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلیں تو وہ اپنی ناپاک اسکیم کے مطابق حضورؐ کا کام تمام کر دیں، مگر مشیتِ ربانی نے محاصرین کو بے خبر کر دیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں مکان سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، وہاں سب تیاریاں مکمل تھیں، کئی دن کا سفر تھا، حضرت ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء نے جلدی جلدی ناشتہ دان میں کھانا رکھا، ناشتہ دان کے منہ پر باندھنے کیلئے کوئی کپڑا سامنے نہ تھا، حضرت اسماء نے جلدی سے اپنا نطاق (کمر بند کا کپڑا)، کھولا، اور اسی کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ناشتہ دان کا منہ باندھا اور دوسرے کو کمر سے لپیٹ لیا، اس اخلاص کا ان کو یہ صلہ ملا کہ اس دن سے وہ "ذات النطاقین" (دو کمر بندوں والی) کے لقب سے مشہور ہوئیں،

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکہ کو الوداع کہا، شہر سے تین میل کے فاصلے پر پہاڑ میں غارِ ثور تھا، وہاں پہونچے حضرت ابوبکرؓ نے حضور کو باہر روک دیا، پہلے خود غار کے اندر گئے، کہ اس کو کیڑوں مکوڑوں سے صاف کر دیں اور کوئی درندہ ہو تو اسے بھگا دیں تاکہ حضورؐ کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے، غار صاف ہو چکا تو حضورؐ اندر تشریف لے گئے، اس غار میں قیام کی

وجہ یہ تھی کہ قریش حضورؐ کو نہ پائیں گے تو تلاش میں آدمی دوڑائیں اور گرفتار کر لیں گے، ان کی دوڑ دھوپ کے بعد سفر مناسب ہوگا،

صبح ہوگئی اور قریش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ نہ چلا تو وہ حضورؐ کی تلاش میں نکلے، یہاں تک کہ وہ غارِ ثور کے اتنے قریب پہنچ گئے کہ غار میں ان کے قدموں کی چاپ محسوس ہونے لگی، حضرت ابوبکرؓ جو حضورؐ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے گھبرا اٹھے اور عرض کیا۔ حضورؐ دشمن اتنے قریب آگئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر بھی ان کی نگاہ پڑگئی تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے، حضورؐ نے اطمینان اور یقین بھرے لہجے میں جواب دیا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے،

قریش غار کے دہانے پر پہنچ کر واپس چلے گئے، یہ ہے اللہ کے رسولؐ کے توکل علی اللہ کا اعجاز!

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پورا گھر اس حالت میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سرگرم تھا، حضرت صدیقِ اکبرؓ کے نوجوان صاحبزادے عبداللہ دن بھر شہر میں رہتے، قریش کے رنگ ڈھنگ معلوم کرتے، شام کو گھر سے کھانا لے کر غارِ ثور جاتے اور شہر میں جو کچھ دیکھتے سنتے اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کرتے، رات وہیں رہتے، اور اندھیرے منہ مکہ واپس چلے آتے،

حضرت عامر بن فہیرہؓ جن کا نام "غلامانِ اسلام" کے بیان میں ہو چکا ہے اور جو اب حضرت ابوبکرؓ کے غلام تھے، کچھ رات گئے بکریاں لے کر غارِ ثور پر پہنچ جاتے، بکریوں کا دودھ دوہ کر گرم گرم دودھ آنحضورؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ کو پلاتے تین روز تک غار میں قیام رہا۔

عبداللہ بن ارقیط ایک مشرک تھا لیکن دیانت دار اور قابل اعتماد آدمی تھا وہ اجرت پر راستہ بتلانے کیلئے مقرر کیا گیا تھا اور دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر کے ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ تین رات گذرنے کے بعد صبح کو دونوں اونٹنیاں لیکر غارِ ثور پر پہنچ جائے۔ چنانچہ وہ وقتِ مقررہ پر غار پر پہنچ گیا، اور یہ مختصر سا مقدس قافلہ مدینے کی جانب روانہ ہوا، آگے آگے ارقیط راستہ بتلاتا ہوا چلتا تھا، پیچھے اونٹنی پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے، دوسری اونٹنی پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عامر بن فہیرہؓ بیٹھے تھے، حضرت ابوبکر تجارت کے سلسلے میں ہر طرف آمدو رفت کیا کرتے تھے، اس لئے راستے میں جا بجا ان کے شناسا ملتے اور پوچھتے یہ تمہارے آگے اونٹنی پر کون ہیں؟ حضرت ابوبکر جواب دیتے "میرے رہنما"

ایک دن رات اور دوسرے روز دوپہر تک مسلسل سفر کرنے کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے تھے، اور دھوپ بھی بہت تیز ہو گئی تھی، حضرت ابوبکرؓ کو فکر تھی کہ کوئی سایہ دار جگہ مل جائے، تو حضور تھوڑی دیر آرام فرمائیں، سامنے ایک چٹان نظر آئی جس کے نیچے سایہ تھا، وہیں سواری روک دی گئی، حضرت ابوبکرؓ نے زمین کو صاف کر کے اس پر فرش بچھایا، اور آنحضورؐ کو اس پر لٹا کر خود ادھر اُدھر گھومنے اور حضورؐ کی نگہبانی کرنے لگے، اسی حالت میں ایک لڑکا نظر آیا جو بکریاں چرا رہا تھا، آپ نے اس سے پوچھا تیری بکریوں میں کوئی بکری دودھ بھی دیتی ہے؟

لڑکے نے کہا۔ "ہاں"

حضرت ابوبکر نے پوچھا "مجھے کچھ دودھ دے سکتا ہے؟"

وہ بولا۔ "جی ہاں!"

لڑکے نے ایک بکری پکڑی، حضرت ابوبکرؓ نے پہلے بکری کے تھن اور لڑکے

کے ہاتھ صاف کرائے اس کے بعد لکڑی کے پیالے میں دودھ دوہوایا، پھر اسے ایک لوٹے میں انڈیلا، جسے وضو کیلئے ساتھ لے لیا تھا۔ اس کا منہ کپڑے سے ڈھک دیا کہ دودھ میں گردو غبار نہ پڑے، حضورؐ بیدار ہو چکے تھے، دودھ لے جاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔

ذرا غور کیجئے، حضرت ابوبکرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا خیال رکھتے تھے؟

قریش کی سرگرمیاں ابھی ختم نہیں ہوئی تھیں، انھوں نے ایک شخص کو جس کا نام سراقہ بن جعشم تھا بلا کر طے کیا کہ اگر وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زندہ گرفتار کر لائے یا ان کے سر کاٹ لائے تو اس کو فی کس سو اونٹ دیے جائیں گے جو ایک قتل کے خوں بہا کے برابر ہوتے ہیں۔

سراقہ بن جعشم نے نیزہ سنبھالا اور اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑا، اتفاق سے ایک شخص نے حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کو مدینہ کے راستے میں دیکھا تھا مگر وہ آپ حضرات کو پہچانتا نہ تھا مگر اس نے اپنے مشاہدے کے مطابق نشان دہی کر دی، سراقہ اس کے بتلائے ہوئے پتے پر چلا، حضورؐ کسی طرف دیکھتے نہ تھے سیدھے رخ نگاہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاروں طرف نگاہ دوڑاتے تھے، انھوں نے سراقہ کو دیکھ لیا، ابھی سراقہ قریب نہیں پہنچا تھا کہ گھوڑا ٹھوکر کھا کر گر پڑا اس کے ساتھ سراقہ بھی زمین پر تھا، وہ سنبھلا، ترکش سے فال کا تیر نکالا، تیر کا جواب نفی میں تھا مگر سراقہ سو اونٹوں کے انعام کا لالچ ترک نہ کر سکا، اس نے گھوڑے کو پھر آگے بڑھایا، اب وہ حضورؐ سے اتنا قریب تھا کہ حضورؐ کی تلاوت کی آواز سن رہا تھا، اس بار گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، اور سراقہ بھی منہ کے بل

زمین پر آ رہا، اس نے گھوڑے کو بہت ڈانٹ ڈپٹ کی، گھوڑے نے اٹھنے کی کوشش بھی کی مگر اٹھ نہ سکا، اس نے پھر فال کا تیر نکالا، اب بھی جواب اس کے مقصد کے خلاف تھا، اب اس کو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کا کرشمہ ہے، آپ خدا کے سچے رسول ہیں، ایک روز یقیناً سارے عرب پر ان کا غلبہ ہو جائے گا، اس نے آواز دی، ـــــ ٹھہر جائیے! میں نے آپ کو امان دی،

سواری روک دی گئی، سراقہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ مجھے ایک امان نامہ لکھ دیجئے۔ تاکہ جب آپ کو غلبہ حاصل ہو تو مجھے کچھ نقصان نہ پہنچایا جائے۔ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان نامہ لکھ دیا،

رسالتِ محمدیؐ کی صداقت کا اعجاز دیکھو۔ یہی وہ مظلوم و بےکس عامر بن فہیرہؓ ہیں جن پر کل بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے تھے، یہ آج اس شخص کو امان نامہ لکھ رہے ہیں جو اللہ کے سچے رسول کا سر کاٹنے آیا تھا،

یہ مقدس قافلہ اسی طرح کوچ اور مقام کرتا ہوا مدینہ پہونچا جہاں انصارِ کرام رضٰ آنکھوں کو فرشِ راہ کئے فخرِ دو عالم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے، یہ انصار کیلئے دنیا کا سب سے بڑا یومِ مسرت تھا، بوڑھے جوان بچے بچیاں خواتین سب میں وہ جوش و ولولہ تھا کہ چشمِ فلک بھی اس نظارے سے حیرت زدہ ہو کر رہ گئی، اہلاً و سہلاً، مرحبا اور صلوٰۃ و سلام کی صداؤں سے مدینہ کی فضا معمور ہو گئی،

مدینہ کے بالائی حصے قبا میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری رکی حضورؐ ناقہ مبارک سے اتر کر ایک درخت کے سائے میں خاموش بیٹھ گئے،

حضرت صدیقِ اکبرؓ کھڑے ہو کر لوگوں سے ملاقات کرتے رہے، جو لوگ حضورؐ کو پہچانتے نہ تھے، وہ آتے تو حضرت صدیق اکبرؓ ہی کو سمجھتے کہ حضورؐ ہیں، اور انھیں کے پاس ٹھہر جاتے، جب حضورؐ پر دھوپ پڑنے لگی، اور حضرت صدیق اکبرؓ نے چادر سے حضورؐ کے سر مبارک پر سایہ کیا اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ آقائے دو عالم آپ ہی ہیں،

مدینہ منوّرہ میں سکونت

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً دو ہفتے تک قبا میں قیام فرمایا، اس کے بعد انصارِ کرام بڑی شان و شوکت اور جوش و ولولہ کے ساتھ حضورؐ کو شہر میں لے گئے، اور حضورؐ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، حضرت صدیق اکبرؓ نے مدینہ سے متصل مقام سُنح میں حضرت خارجہ بن زیدؓ کے پاس قیام فرمایا۔ اور یہیں کپڑے کی تجارت شروع کی، بعد میں حضرت خارجہؓ کی بیٹی حبیبہؓ سے عقد بھی کر لیا، اور وہیں ایک مستقل مکان لے کر آباد ہو گئے، چند روز کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بھی اپنی ماں امِ رومانؓ، اپنی بہن حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مکہ سے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینہ بعد تک سُنح ہی میں رہے، اور جب خلافت کا کام انجام دینا دشوار ہو گیا، تو مدینہ منورہ منتقل ہو گئے،

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عقد مکہ معظمہ ہی

میں ہو چکا تھا، رخصتی باقی تھی، مدینہ آنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے رخصتی کی درخواست کی، حضورؐ نے فرمایا: میرے پاس مہر نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر نے خود ہی مہر کی رقم لا کر حاضر کی، اور سادہ طریقہ سے دلھن بنا کر حریم اقدس میں داخل کر دیا۔ یہ ہے صدیقِ اکبرؓ کی صاحبزادی کی رخصتی کا نمونہ، آج شادی مسلمانوں کیلئے شادی کے بجائے مصیبت بنی جاتی ہے، اگر یہ نمونہ مسلمانوں کے سامنے ہو اور اس تقریب میں اپنی چادر کے اندر ہی پاؤں رکھا جائے تو شادی کتنی خوش کن اور آسان ہو جائے۔

مدینہ کی آب و ہوا مہاجرینؓ کو موافق نہیں آرہی تھی، حضرت ابوبکرؓ بھی شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، حضرت عائشہؓ والد ماجد کی مزاج پرسی کو آئیں تو ان کو یہ شعر پڑھتے ہوئے سُنا۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي اَهْلِهٖ

وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

ترجمہ:۔ ہر شخص اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے، اگرچہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے شفیق باپ کی یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئیں اور واپس جا کر حضورؐ سے عرض کیا۔ حضورؐ نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ خدایا! تو مدینہ کو بھی ہمارے لئے ایسا ہی محبوب بنا دے جیسا ہمارے لئے مکہ تھا، بلکہ اس کی آب و ہوا کو اس سے زیادہ صحت بخش بنا دے، یہاں کے ناپ تول میں بھی برکت عطا فرما اور بخار کو یہاں سے منتقل کر دے۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بخار آیا، سخت جگر

سے آپ کو خاص طور پر محبت تھی جب گھر میں آتے تو پیار بھرے انداز میں پوچھتے۔ "بیٹی! تم کیسی ہو؟"

حضورؐ کی دعا مقبول ہوئی۔ اور مدینہ طیبہ کی آب وہوا مہاجرین کیلئے صحت بخش ہوگئی، (صدیق اکبرؓ)

یہ حضرت صدیق اکبرؓ کا فیض تھا!

مسجد کیلئے زمین کی خریداری

مدینے میں پہلے سے مسلمان موجود تھے، اب مکے کے مسلمان وہاں پہنچ چکے تھے، اور دوسری بستیوں کے مسلمان بھی وہاں برابر پہنچ رہے تھے، اس لئے اب مدینے میں ایک مسجد کی ضرورت تھی، حضورؐ نے جو جگہ مسجد کیلئے پسند فرمائی وہ یتیموں کی ملکیت تھی، مسجد بنانے کیلئے بے قیمت مل رہی تھی، لیکن حضورؐ نے یہ بات پسند نہ فرمائی، کہ یتیموں کی زمین بے قیمت دے لی جائے، آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے اسکی قیمت دلوادی، اس زمین پر جو مسجد بنی وہ مسجد نبوی کہلاتی ہے، اسی سے ملا ہوا حضورؐ کا روضہ مبارک ہے، کعبہ شریف کے بعد یہ سب سے بڑی مرتبے والی مسجد ہے، اس زمین کی خریداری کی وجہ سے جو ثواب حضرت ابوبکر کو مل رہا ہے اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے ان میں سے ۳۵ ہزار درہم مکے ہی میں اسلام پر خرچ کرچکے تھے، مدینہ آنے پر بھی یہ سلسلہ جاری رہا، آپ اللہ کی راہ میں برابر خرچ کرتے رہے یہاں تک کہ باقی پانچ ہزار بھی اسی راہ میں خرچ ہوگئے

حضرت صدیقِ اکبرؓ کی مجاہدانہ زندگی!

رسالت محمدی کی حقانیت اور اسلام کے خدائی دین ہونے کی صداقت کا یہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجرت اور غریب الوطنی ہی جو بظاہر ایک انتہائی مصیبت تھی اسلام کی قوت و شوکت کا وسیلہ ثابت ہوئی، مکہ کے مظلوم مسلمان اب قریش کے ظلم و ستم سے محفوظ تھے، حبشہ کے مہاجر بھی مدینہ میں آگئے، اسلام کی نصرت و حمایت کیلئے اہل مدینہ کی ایک جماعت کھڑی ہوگئی، اس طرح خدا نے ایسی صورت پیدا کردی کہ اسلامی حکومت کی بنیاد پڑ گئی، مسجد نبوی جو ابھی ابھی تعمیر ہوئی تھی اور جس کی ظاہری حیثیت ایک معمولی جھونپڑے سے کچھ زیادہ نہ تھی، صرف عبادت گاہ ہی نہ تھی، وہ اسلام کی نئی حکومت کا مرکز بھی تھی، اسی مرکز سے اسلام آگے بڑھا، اور سارے عرب پر چھا گیا،

اسلام جب مکہ میں مظلوم تھا اور مسلمان قریش کے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے، اس وقت بھی وہ اسلام سے خائف و ہراساں تھے، ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا، اب ان کی تشویش و پریشانی اور بھی ترقی کر گئی، مدینہ میں قریشی مزاج کا ایک طبقہ تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے وہ بھی اپنے کو مدینے کا رئیس اور سردار سمجھ رہا تھا، اور اپنی حکومت و اقتدار کے خواب دیکھ رہا تھا، اب وہ خواب پریشاں ہوا جا رہا تھا، اس لیے اس کے دلوں میں بھی اسلام کی عداوت و دشمنی کی آگ بھڑک اٹھی، قریش نے مدینہ کے اس طبقہ سے سازباز شروع کردی کہ وہ مدینہ میں اسلام کا قدم جمنے نہ دیں اور جیسے بھی ممکن ہو مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں، اسی کے ساتھ قریش اپنی چھوٹی چھوٹی فوجی

ٹکڑیاں بھی مدینہ کے گرد و نواح پر چھاپے مارنے کیلئے بھیجنی شروع کیں، تاکہ مدینہ کے اطراف میں بھی بے چینی پھیلے، جواب میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی دفاعی دستے بھیجتے رہتے تھے، اور اس طرح قریش کی کوششوں کا توڑ کرتے رہتے تھے، ان تمام کارروائیوں میں حضرت صدیق اکبر رضہ آنحضورؐ کے دست راست اور مشیر خاص تھے آخر قریش کو یقین ہو گیا کہ ان کی یہ چالیں کارگر نہیں ہوسکتیں، اس لئے انھوں نے مدینہ طیبہ پر ایک بڑے حملے کی تیاری کی،

جنگ بدر کفر اور اسلام کے درمیان پہلی تاریخی جنگ بدر کے مقام پر ہوئی، قریش ایک ہزار کی تعداد اور پورے ساز و سامان کے ساتھ آئے تھے، مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ تعداد کے لحاظ سے وہ صرف تین سو تیرہ تھے، ساز و سامان اور رسد کے اعتبار سے وہ اتنے بے سروسامان تھے کہ ان کے پاس نہ کافی سواریاں تھیں، نہ پورے اسلحے اور نہ کھانے پینے کی چیزیں، لیکن خدا کی نصرت وحمایت مسلمانوں کے ساتھ تھی، کیونکہ خدا کے رسول برحق ان کے ساتھ تھے،

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی قلت تعداد اور ان کی بے سروسامانی دیکھ کر بیقرار ہو گئے، اس وقت اللہ کے رسول کی نیازمندی اور اللہ کی اپنے رسول کی نیازمندی کی پذیرائی کا عجیب منظر تھا، کوئی بھی اہل دل اور صاحب بصیرت اس ادائے نیازمندی کو دیکھ کر محسوس کرسکتا ہے کہ یہ خدا کے سچے رسولؐ ہی کی ادا ہوسکتی ہے،

حضورؐ پر خشوع و خضوع طاری تھا، آپ قبلہ رخ دونوں ہاتھ پھیلائے باواز بلند دعا مانگ رہے تھے، "اے اللہ! — تونے مجھ سے فتح کا جو وعدہ کیا ہے آج اسے پورا کر — اے اللہ! مجھے وہ نصرت عطا فرما جس کا تونے

مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! اگر مسلمانوں کی یہ چھوٹی سی جماعت تباہ ہو گئی تو پھر روئے زمین پر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی!"

محویت کا یہ عالم تھا کہ ردائے مبارک کندھے پر سے گر پڑی، رفیقِ غار حضرت ابوبکر صدیق پشتِ مبارک پر کھڑے تھے، چادر اٹھا کر کندھے پر ڈال دی، آپ جوشِ محبت میں پشتِ مبارک سے لپٹ گئے، عرض کی "اے اللہ کے رسول! اب بس کیجئے، خدا نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے اسے ضرور پورا کرے گا۔"

یہ تھا صدیقِ اکبرؓ کا ایمان! ادھر آپ اللہ کے رسولؐ کو تسلی دے رہے تھے، ادھر خدا کی طرف سے اپنے رسولؐ کی دعا کا جواب ملا،

اِنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝ (آلِ عمران)

اے میرے رسول! اگر مسلمانوں کی تعداد کم ہے تو تم اس کا غم نہ کرو، میں پے بہ پے نازل ہونے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا،

مسلم کی روایت ہے، بخاری کی روایت میں ہے کہ حضورؐ کی دعا کا جواب یہ ملا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کفار کی جمعیت کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے،

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک سائبان بنا دیا گیا تھا، آپ اسی میں تشریف رکھ کر ضروری ہدایتیں دیتے رہتے تھے، حضورؐ کی خدمت وحفاظت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھی، آپ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے، جو دشمن ادھر کا رخ کرتا آپ بڑھ کر اس کا دفاع کرتے۔ حضرت علیؓ نے اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ تو کہا۔ فَهُوَ اَشْجَعُ النَّاسِ (آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے) اس سے ظاہر ہے کہ تمام لوگوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ

عنہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے، کہ وہ تنہا حقِ دفاع ادا کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، قریش کے ساتھ وہ بھی آئے تھے، انہوں نے میدانِ جنگ میں آکر لکارا۔ کہ میرے مقابلے میں کون آتا ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جوشِ ایمان اس چیلنج کو برداشت نہ کر سکا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو روک لیا، فرمایا مَتِّعْنِیْ بِنَفْسِكَ یعنی تم میرے ہی پاس رہو اور اپنی ذات سے مجھے فائدہ پہنچاؤ، (صدیقِ اکبر)

ہم تو نگاہِ رسالت کی اعجاز کے قائل ہیں، طائف ہو، بدر ہو، اُحد ہو، صلحِ حدیبیہ ہو، فتحِ مکہ ہو، جب بھی اور جہاں بھی آنحضورؐ کی شانِ رحمت کا ظہور رہا ہم نے اس کا نتیجہ یہی دیکھا کہ جو آنحضورؐ اور اسلام کے دشمن تھے، وہی حضورؐ کے غلام اور اسلام کے علمبردار بن گئے، حضرت عبدالرحمٰن بھی بالآخر حضورؐ ہی کی غلامی میں آئے،

رحمت للعٰلمینؐ کی شانِ رحمت نے اپنا کام کیا اور خدا کی قدر دانی نے اپنا کلام حضرت ابوبکر صدیقؓ اور انھیں جیسے مومنینِ صادقین کی مدح میں سورہ مجادلہ میں آگیا کہ۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ط الخ (جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں تم ان کو ایسا نہ پاؤ گے کہ وہ ان کو دوست رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں، چاہے وہ ان کے باپ بیٹے اور قبیلہ ہی کیوں نہ ہوں،

مژدہ فتح پہلے ہی آچکا تھا، قریش کو شکست ہوئی، ان کے ستر آدمی مارے گئے، ستر گرفتار ہوئے، مقتولوں اور اسیروں میں مکہ کے بڑے بڑے

سردار اور رؤسا رتھے،

یہ جنگ رسالتِ محمدیؐ کی صداقت کی عریاں شہادت ہے، کہنے کو یہ جنگ ۲ھ میں ہوئی، لیکن ہجرت سے اب تک کے مہینے شمار میں صرف اٹھارہ انیس ہوتے ہیں، اتنے قلیل عرصہ پہلے جو اسلام مظلوم و بیکس تھا، اس کے جاں باز بہادروں نے پہلی ہی ٹکر میں قریش کی طاقت کی دھجیاں بکھیر دیں،

جنگِ اُحُد جنگِ احد ۳ھ میں ہوئی، جنگِ بدر کی ناکامی اور شکست نے قریشِ مکہ میں سخت جوش اور اشتعال پیدا کر دیا تھا، اس جنگ میں روسائے قریش کی عورتیں بھی ساتھ آئی تھیں اور عاشقانہ رجزیہ اشعار گا گا کر قریشی بہادروں میں جوش و ولولہ پیدا کر رہی تھیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک قریش کی فوج کشی کی خبر ہو وہ بڑھتے ہوئے کوہِ احد تک آگئے، جو مدینہ طیبہ ہی کا ایک پہاڑ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات سو مجاہدینِ اسلام کے ساتھ شہر سے نکلے، اور کوہ احد کی پشت پر صف آرا ہوئے، قریش کے خیمے پہاڑ پر نصب تھے،

جنگ شروع ہوئی، حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابۂ کرام اس شجاعت و بہادری سے لڑے کہ قریش کے پاؤں اکھڑ گئے، اب میدانِ جنگ مسلمانوں کے ہاتھ تھا، لیکن اسلامی فوج کے ایک سوار دستے کی انتہائی بے موقع چوک سے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا، یہ دستہ احد کے ایک درّے پر متعین تھا، اور اس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ نہ چھوڑے، لیکن قریش کی شکست کے بعد مجاہدین نے غنیمت کی لوٹ شروع کی تو اس دستہ

کے لوگوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور غنیمت کی لوٹ میں شریک ہو گئے، ابھی قریش نے کوچ نہیں کیا تھا، اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وہ اچانک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اس ناگہانی حملے سے اسلامی فوج میں ابتری پھیل گئی، بدحواسی کے عالم میں مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر پڑنے لگیں، علمبردارِ اسلام حضرت مصعب بن عمیرؓ جنگ کرتے ہوئے بڑی شجاعت سے شہید ہوئے۔ اس اضطراب و ہنگامہ کی حالت میں مشہور ہو گیا کہ اللہ کے رسولؐ کی شہادت ہو گئی، اس افواہ نے بڑے بڑے صحابہ کے دل توڑ دیئے اور ان کے عزم و حوصلہ کے چراغ بجھ گئے، رحمۃ للعالمینؐ کی ذاتِ اقدس دشمنوں کے تیروں، تلواروں، اور نیزوں میں گھری ہوئی تھی، جو صحابہ حضورؐ کے پاس موجود تھے، انھوں نے شمع و پروانہ کے شاعرانہ مضمون کو ایک منظرِ حقیقت بنا دیا تھا، اس جاں نثاری و فداکاری کی مثال تاریخ میں نہیں مل سکتی، حضورؐ کیلئے کسی کی ہتھیلیاں سپر بنی ہوئی تھیں، کوئی اپنی پشت سے سپر کا کام لے رہا تھا، اور کوئی سینے سے، پھر بھی ایک ظالم رحمتِ عالمؐ پر وار کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا، دندانِ مبارک شہید ہو گئے، اور مغفر کی کڑیاں رخسارِ مبارک میں چبھ گئیں،

دشمنوں کا ہجوم کم ہوا تو صحابۂ کرام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دے کر ایک محفوظ ٹیلے پر لے گئے، ابو سفیان جو قریشی فوج کا سپہ سالار تھا حضورؐ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا، وہ اس ٹیلے کے نیچے پہونچ گیا اور باری باری حضورؐ کو، پھر حضرت ابو بکر صدیق کو، اور آخر میں حضرت عمر فاروقؓ کو پکارا، حضورؐ کی ہدایت تھی کہ ابو سفیان کو جواب نہ دیا جائے، چنانچہ اسے جواب نہیں دیا گیا تو کامیابی کے جوش میں اس نے نعرہ مارا، اُعْلُ هُبَل! (ہُبل کی جے ہو!)

اللہ کے رسول اس نعرے کو برداشت نہ کر سکتے تھے، حضرت عمر کو ارشاد ہوا کہ جواب دو، اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ! (سب سے بڑا اور صاحب جلال اللہ ہے)

صحابۂ کرام نے اب اپنی منتشر قوت کو مجتمع کر کے اس جوش کے ساتھ مقابلہ کیا کہ قریش بھاگ کھڑے ہوئے، اپنی عارضی کامیابی پر قریش کے حوصلے نہ بڑھ جائیں اس لئے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ قریش کا تعاقب کون کرے گا؟ صحابۂ کرام ہر چند مجروح اور خستہ تھے پھر بھی جواب میں ستر آوازیں بلند ہوئیں ان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تھے، (صدیق اکبرؓ)

یہ جنگ احد ہے۔ اس کے صرف پانچ سال بعد مکہ فتح ہوتا ہے، اسلامی فوج کے داخلۂ شہر کے پہلے ہی یہی ابوسفیان گرفتار ہو جاتے ہیں، رحمۃ للعالمینؐ کی خدمت میں حاضر کئے جاتے ہیں، حضورؐ بڑی رحمت و مہربانی کے ساتھ سوال کرتے ہیں ــ "کیوں ابوسفیان! اب بھی تمہیں یقین نہیں آیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟"

جواب دیتے ہیں ــ "کیسے یقین نہ آئے گا؟ اگر خدا کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آج میرے کام نہ آتا؟"

اپنے نعرے تو دنیا لگاتی ہے لیکن نعرۂ باطل اور ہے اور نعرۂ حق اور۔ اُعْلُ ہُبَل! کے نعرے لگانے والے خود "اللہ اکبر!" کے منادی ہو گئے، معلوم نہیں دنیا رسالتِ محمدیؐ اور اسلام کی صداقت و حقانیت کے کتنے دلائل و شواہد چاہتی ہے؟ اور خود دنیا کے پاس اپنے دعویٰ حق کے کتنے دلائل و شواہد موجود ہیں؟

کیا دنیا نے کبھی اس سوال پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا؟

جنگِ خندق یہ جنگ ذی قعدہ ۵ھ میں ہوئی، اس کو خندق کی جنگ اس لئے کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی حفاظت کیلئے خندق کھودی گئی تھی، اس کا دوسرا نام جنگِ احزاب ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ اس حملے میں قریش کے ساتھ دوسرے عرب قبیلے اور یہودی بھی شریک تھے، اس جنگ میں فوج کے ایک دستے کی کمان حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ میں تھی، جس مقام پر یہ دستہ متعین تھا وہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بیان کے مطابق آپ تک ایک مسجد مسجدِ صدیقؓ کے نام سے موجود ہے، (صدیقِ اکبرؓ)

حملہ آوروں کی تعداد دس ہزار تھی، صحابۂ کرام تین ہزار تھے، دونوں طرف کی فوجوں کا تناسب اب بھی وہی تھا جو بدر کی جنگ میں تھا، لیکن یہی کیا کم ہے کہ بدر کے تین سو تیرہ ڈھائی تین سال کی مدت میں تین ہزار تھے، بلیس اکیس روز مدینہ طیبہ محصور رہا، آخر ایک رات ہوا کا ایسا تیز و تند طوفان آیا کہ حملہ آور گھبرا کر واپس چلے گئے، یہ غیبی مدد تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ احزاب میں ہے،

غزوۂ بنی مصطلق حرث بن ضرار قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار تھا، اس کو اسلام سے بڑی دشمنی تھی، اس نے دورہ کر کے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو صحابۂ کرام کو لے کر نکلے مقام مریسیع پر جنگ ہوئی، اس جنگ میں قریش کے علمبردار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، کچھ دیر تک دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی، اس کے بعد مجاہدین نے پوری قوت سے حملہ کیا اور دشمنوں کو بھگا دیا،

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی آنحضورؐ کے ساتھ تھیں، واپسی

میں ایک مقام پر پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ ان کا ہار گم ہو گیا، حضورؐ نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا اور ہار کی تلاش شروع ہوئی، پانی نہ صحابہ کرام کے پاس تھا اور نہ اس مقام پر، لوگوں کو پینے اور وضو کرنے کی تکلیف ہونے لگی، حضرت ابوبکر صدیقؓ غصے میں بھرے ہوئے حضرت صدیقہؓ کے پاس آئے اور کہا۔ "تو نے رسول اللہؐ اور تمام مسلمانوں کو ایسے مقام پر رکوا دیا جہاں پانی میسر نہیں؟"

اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زانوئے مبارک پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ حضرت صدیقہؓ کو سخت سست بھی کہتے جاتے تھے اور ان کی کمر میں کچوکے بھی مارتے جاتے تھے، لیکن اس خیال سے کہ حضورؐ کی نیند نہ کھل جائے حضرت صدیقہؓ نے جنبش تک نہ کی، خاموش بیٹھی رہیں صبح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ط (مائدہ)	اگر تم بیمار ہو (اور پانی کے استعمال پر قدرت نہیں ہے) یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے، یا تم عورتوں سے قربت کرو، پھر کہیں پانی نہ ملتا ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو جس کی صورت یہ ہے کہ اس مٹی (پر ہاتھ مار کر) اسے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مل لیا کرو،

حضرت اسید بن حضیرؓ ایک جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، انھوں نے بطور اظہار عقیدت کہا۔ اے آلِ ابی بکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے کہ تمہاری شان میں یا تمہاری وجہ سے قرآن کا کوئی حکم نازل ہوا،

(صدیق اکبر)

واقعۂ حدیبیہ | حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے مدینہ آئے چھٹا سال تھا، اس درمیان میں کعبہ کی زیارت کا موقع نہیں ملا تھا، حضورؐ نے خواب دیکھا کہ آپ خانۂ کعبہ کی زیارت کو گئے ہیں، حضورؐ نے اس خواب کو اشارۂ غیبی سمجھا اور عمرہ کی تیاری شروع کردی، ڈیڑھ ہزار صحابہ بھی یہ شرف حاصل کرنے کیلئے تیار ہو گئے، جب یہ مقدس قافلہ مکہ کے قریب پہونچا تو بمقام حدیبیہ اطلاع ملی کہ قریش نے جنگ کی تیاری کرلی ہے، وہ آنحضورؐ اور مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کا مقصد خونریزی اور جنگ نہیں ہے، آپ کعبہ کی زیارت کو آئے ہیں، آپ چلئے، جو کوئی راہ روکنا چاہے گا ہم اس سے جنگ کریں گے،"

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو لے کر آگے بڑھے، مقام حدیبیہ پر قیام ہوا، طرفین میں مصالحت کی بات چیت شروع ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سفیرِ رسولؐ بن کر مکہ گئے، ان کے متعلق مشہور ہوگیا کہ قریش نے ان کو شہید کر ڈالا، آنحضرتؐ نے ان کے خون کا بدلہ لینے کیلئے صحابہؓ سے جنگ کی بیعت لی، لیکن یہ افواہ غلط تھی، قریش نے صحابۂ کرام کا یہ عزم دیکھا تو صلح کی گفتگو کیلئے اپنے ایک سردار عروہ بن مسعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس نے دورانِ گفتگو میں کہا "محمدؐ! خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط انسان دیکھ رہا ہوں جو وقت پڑنے پر تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔"

طرح کے ظلم وستم کئے تھے، ان کو وطن اور خاندان چھوڑنے پر مجبور کیا تھا، اور تلوار کے زور سے ان کو اور مسلمانوں کو مٹانے کیلئے بار بار جنگ کر چکے تھے، انہیں حضرت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکقلم معاف فرما دیا۔ حضورؐ کے اس رحم وکرم کا قریش پر بڑا اثر ہوا، اس کے علاوہ انھیں یقین ہوگیا کہ اسلام سچا دین ہے اور خدا اپنے رسول کے ساتھ ہے، اس لئے وہ مسلمان ہوگئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ ابھی زندہ تھے، وہ بہت بوڑھے اور آنکھ کے اندھے تھے، ان کو اسلام سے کوئی کد نہ تھی، لیکن بوڑھوں کا مزاج عام طور پر کچھ ایسا بن جاتا ہے کہ کوئی نئی چیز وہ جلدی قبول نہیں کرتے، ابو قحافہ بھی ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، حضرت ابوبکرؓ ان کی لاٹھی پکڑے ہوئے انھیں حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا: "ان بوڑھے میاں کو یہاں کیوں لائے ہو، میں خود ان کے پاس چلا چلتا"۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ مناسب یہی تھا کہ یہ خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے"۔ حضورؐ نے حضرت ابو قحافہ کے سینے پر ہاتھ پھیر کر انھیں مسلمان کر لیا۔

(ابنِ ہشام)

غزوۂ حنین اور طائف

مکہ کی فتح کے بعد قریش کا زور ٹوٹ گیا، ان کی اکثریت مسلمان ہوگئی، دوسرے قبیلے بھی اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے، لیکن ہوازن اور ثقیف کو اپنی بہادری اور جنگجوئی پر ناز تھا، انھوں نے بڑے جوش کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع کیں، فتحِ مکہ کے دوسرے ہی سال شوال میں حنین کے میدان میں جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے جنگ ہوئی، اس جنگ میں بھی وہی صورت پیش آئی جو

جنگِ احد میں پیش آئی تھی، اسلامی فوج مالِ غنیمت کی لوٹ میں مصروف ہوئی تو دشمن کے تیر اندازوں نے بے خبری میں اس شدت سے تیر برسائے کہ مسلمانوں کے حواس جاتے رہے، اس وقت جو چند نفوس حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے تھے ان میں حضرت صدیق رض بھی تھے، حضور صلعم کی پکار پر مہاجرین و انصار بھی حضور صلعم کے گرد جمع ہو گئے، اور اس زور کا حملہ کیا کہ میدان دشمنوں سے صاف تھا،

مالِ غنیمت کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا کہ جس شخص نے جس کو قتل کیا ہو گا اس کا سامان اسی کا حصہ ہو گا، حضرت ابو قتادہ انصاری رض نے ایک بڑے بہادر کو قتل کیا تھا، اس کا سامان ایک ایسے شخص کے ہاتھ لگ گیا جو فتحِ مکہ کے وقت مسلمان ہوا تھا، اور جنگ میں پورا حصہ نہیں لیا تھا، اس نے آنحضور صلعم سے درخواست کی کہ ابو قتادہ رض کے مقتول کا سامان میرے قبضہ میں ہے وہ مجھے دے دیا جائے، حضرت ابو بکر کی حق پسندی کو یہ گوارا نہ ہوا، بے ساختہ بولے۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا کہ مقتول کا سامان اللہ کے اسی شیر کو نہ دیا جائے جس نے اللہ و رسول کی راہ میں جنگ کی، بلکہ قریش کے ایک بجو کو دے دیا جائے، حضور صلعم نے فرمایا۔" ابو بکر رض سچ کہتے ہیں" (صدیق اکبر)

حنین کی جنگ کے بعد طائف کا محاصرہ کیا گیا۔ اہلِ طائف قلعہ بند ہو کر مدافعت کر رہے تھے، انھوں نے قلعہ سے مسلمانوں پر اس شدت سے تیر باری کی کہ ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا،

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رض سے فرمایا۔ کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ کسی نے مجھے ایک لبالب پیالہ نذر کیا لیکن

ایک مرغ نے ٹھونگ ماری اور پیلے میں جو کچھ تھا وہ سب گر پڑا،"
حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: "معلوم ہوتا ہے محاصرے میں کامیابی نہ ہوگی"
حضورؐ نے فرمایا: "میں بھی یہی سمجھتا ہوں"۔ چنانچہ محاصرہ اٹھا لیا گیا۔

سب کچھ خدا کی راہ میں!

غزوۂ تبوک ہجرت کے نویں سال خبر ملی کہ قسطنطنیہ کا عیسائی بادشاہ قیصرِ روم ملکِ شام کی طرف سے عرب پر حملہ کرنا چاہتا ہے، گذشتہ سال فتحِ مکہ سے پہلے قیصرِ روم اور اسلامی فوج سے جنگ ہو چکی تھی، اس لئے اس کی جانب سے حملے کا اندیشہ لگا رہتا تھا، قریش اور اسلام کی جنگ ختم ہوئے ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے، ابھی عرب پر اسلام کا تسلط مستحکم نہیں ہوا تھا، اگر قیصر کی فوج عرب میں گھس آتی تو ملک میں بڑی بدنظمی پھیل جاتی، اس لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ مدینہ سے نکل کر عرب اور شام کی سرحد پر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

رومی سلطنت اس زمانے میں دنیا کی ایک بڑی سلطنت تھی، اس کے مقابلے کیلئے بڑے ہی اہتمام کی ضرورت تھی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ جنگ کی تیاری کیلئے جو شخص جو کچھ دے سکتا ہے لاکر حاضر کرے، ایسے موقع پر صحابۂ کرام اپنی استطاعت سے بڑھ کر امداد کیا کرتے تھے، اور کوشش کرتے تھے کہ ایک دوسرے سے بڑھ جائیں، اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ایمان اور اسلام کی نشانی ہے، اس معاملے میں سب سے پہلا نمبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہوتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ

سے بڑھ جانے کی بارہا کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، یہی صورت اس موقع پر بھی پیش آئی، اس سلسلے میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا، اس وقت میرے پاس کافی مال موجود تھا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس بار میں یقیناً ابوبکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا، چنانچہ میں نے اپنے کل مال میں سے آدھا حصہ نکالا اور لے جاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا، حضورؐ نے دریافت فرمایا: "عمرؓ اپنے اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑا؟" —— میں نے عرض کیا: "جتنا لے آیا ہوں بس اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ آئے، اور اس شان کے ساتھ کہ ان کے گھر میں جو کچھ تھا سب کا سب لیتے ہوئے آئے، حضورؐ نے ان سے بھی دریافت فرمایا — "ابوبکرؓ! اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑ آئے؟"

انھوں نے جواب دیا: "ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔" ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کیلئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے اپنے دل میں طے کر لیا کہ اب میں کبھی حضرت ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں کا جواب سن کر فرمایا —تم دونوں کے جواب میں جو فرق ہے وہی فرق تم دونوں کی شخصیت کے

درمیان ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

ابن عساکر کے بیان کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ کی پیش کردہ رقم کی تعداد چار ہزار درہم تھی، اس غزوہ میں فوج کے جائزہ اور امارت کے فرائض پر حضرت ابوبکر صدیقؓ مامور تھے، اس سفر میں ایک مقام پر رات کو قیام ہوا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ دوسرے لوگ فوج سے دور ہو گئے حضورؐ نے فرمایا۔ اگر لشکر صدیقؓ اور فاروقؓ کی پیروی کرے گا، تو راہ یاب ہوگا۔ (ازالۃ الخفاء)

امارتِ حج

۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا، مگر ابھی تک پورے طور پر ملک میں امن قائم نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس سال بھی اسی طریقے پر حج ہوا جس طریقے پر اب تک ہوتا آرہا تھا، ۹ھ پہلا سال تھا جس میں حج کے تمام مشرکانہ مراسم موقوف کردئے گئے، اور اسلامی تعلیم کے مطابق حج کے تمام ارکان ادا کئے گئے، یہ تاریخی حج جسے قرآن مجید نے "حجِ اکبر" کے نام سے یاد کیا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں انجام پایا،

غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیلئے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ تیار کیا۔ جس کی امارت کا منصب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نقیب نبوی کی حیثیت سے بھیجے گئے، اور حضرت سعد بن وقاص۔ حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ

معلم مقرر ہوئے،

اس اہتمام کا مقصد یہ تھا کہ اعلان کر دیا جائے کہ حج کے متعلق شرک و جاہلیت کی تمام رسمیں غلط اور ناجائز قرار دے گئیں، اسلام قائم ہوگیا، اب حج کے تمام ارکان اسلام کے احکام کے مطابق انجام پائیں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کے ارکان کی تعلیم دی، اور قربانی کے روز خطبہ دیا، جس میں حج کے مسائل بیان کئے۔ (سیرت النبی)

حجۃ الوداع

سنہ۱۰ھ میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، اس حج کے متعلق حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان سنئیے، اور اس قرب کو دیکھئے جو حضورِ نبویؐ میں حضرت صدیقؓ کو حاصل تھا، فرماتی ہیں، ہم سب حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کرنے جا رہے تھے، ایک ہی اونٹ پر حضورؐ کا اور ہمارا سامان بار تھا، مقام عرج پر پہونچ کر حضورؐ سواری سے اترے، ہم بھی اتر گئے، عائشہؓ حضورؐ کے پاس بیٹھی تھیں اور میں اپنے والد کے پاس، جس اونٹ پر سامان بار تھا، وہ ہمارے والد کے ایک ملازم کی سپردگی میں تھا، اس کا پتہ نہ تھا، کافی انتظار کے بعد وہ پہونچا، تو والد نے اس سے پوچھا "اونٹ کیا ہوا؟" اس نے کہا "وہ تو گذشتہ رات ہی گم ہوگیا" آپ نے فرمایا "ایک ہی اونٹ تھا، تو نے اسے بھی گم کر دیا" یہ کہہ کر اسے مارنے لگے، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر مسکراتے جاتے تھے، اور فرماتے جاتے تھے، "ذرا اس محرم (احرام باندھنے والے)

کو تو دیکھو، اسے کیا ہو گیا ہے؟"

حضورؐ کے تبسم اور اندازِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا ملازم کو مارنا حالتِ احرام کے منافی درجے تک گیا نہ تھا، کچھ یوں ہی سا تھا ورنہ حضورؐ سختی سے منع فرماتے۔ (صدیق اکبرؓ)

وفاتِ رسولؐ

حجۃ الوداع سے مدینہ طیبہ واپس آنے کے بعد ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا، کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دو چیزوں میں سے ایک چیز کو منتخب کر لے، دنیا کو یا اللہ کے قرب کو، اس بندے نے اللہ کے قرب کو پسند کر لیا،

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ارشاداتِ رسالت کے سب سے زیادہ مزاج شناس تھے حضورؐ کے اس ارشاد کو سن کر بے اختیار رونے لگے، آپ سمجھ گئے کہ حضورؐ نے یہ بات خود اپنے متعلق ارشاد فرمائی ہے اور حضورؐ اب اس دنیا سے رحلت فرمانے والے ہیں۔

اس خطبے کے چند ہی روز بعد حضور گورستانِ بقیع گئے، واپس تشریف لائے تو سر مبارک میں شدت کا درد تھا، اس طرح مرض شروع ہو کر رحلت پر ختم ہوا،

حضورؐ جب تک مسجد میں آ سکتے تھے آ کر مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور امامت فرماتے رہے لیکن جب مرض زیادہ بڑھ گیا اور آپ مسجد میں آنے کے لائق نہیں رہے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کا حکم دیا، اور وہ نماز پڑھانے لگے، اس طرح تین روز تک حضرت صدیق

اکبرؓ حضورؐ کی حیاتِ مبارک ہی میں حضورؐ کی جانشینی وخلافت فرماتے رہے۔
ایکبار حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے۔
انھوں نے پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن حضورؐ نے ان کو اشارے سے روک دیا، اور
ان کی بغل میں بیٹھ کر نماز ادا کی یعنی حضورؐ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت
ابوبکرؓ کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے نماز کے ارکان ادا کئے۔ (سیرت النبی جلد ۲)
نماز کے بعد حضورؐ نے ایک خطبہ دیا، اس میں دوسرے امور و مسائل کے
ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا "جن جن لوگوں نے ہم پر
احسان کیا تھا ہم نے ان میں سے ہر ایک کے احسان کا بدلہ ادا کر دیا لیکن ہم
پر ابوبکرؓ کا احسان ایسا ہے کہ ہم اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، اس کا بدلہ تنہیں
قیامت کے دن اللہ ہی دے گا، جتنا ابوبکرؓ کے مال سے فائدہ پہونچا اتنا
فائدہ کسی کے مال سے نہیں پہونچا۔ اگر میں خدا کے علاوہ (انسانوں میں سے)
کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن تمہارے ساتھی (حضورؐ) کو خدا
نے اپنا خلیل بنالیا ہے، ابوبکرؓ میرے دینی بھائی اور غار کے ساتھی ہیں۔
مسجد کے رخ ابوبکر کے دریچہ کے سوا اور کسی کا دریچہ باقی نہ رکھا جائے گا۔
(بخاری، مسلم، ترمذی)

نماز فجر کا وقت تھا، جماعت تیار تھی، حضرت صدیق اکبرؓ امامت کیلئے
مصلے پر جا ہی رہے تھے کہ اللہ کے محبوبؐ کے حجرۂ مبارک کے دروازے کا
پردہ ہٹا، حضورؐ کا جمال جہاں آرا نظر آیا، شمع نبوت کے پروانوں میں خوشی و مسرت
سے ہلچل مچ گئی، کہ حضورؐ نماز کیلئے تشریف لا رہے ہیں، آہ کسے خبر تھی کہ
کہ یہ آخری دیدار ہے، نقاہت سے چہرۂ انور ماہتاب کی طرح سفید ہو گیا تھا،

حضرت صدیقؓ مصلے سے پیچھے ہٹنے لگے، حضورؐ نے اشارے سے منع کر دیا، اور
پردہ گرا دیا، صحابہ کرامؓ کے کھلے ہوئے چہرے مرجھا گئے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نماز سے فارغ ہو کر حضور نبویؐ میں حاضر ہوئے، حضورؐ
کو قدرے افاقہ تھا، حضرت صدیقؓ کی اہلیہ حبیبہ بنت خارجہ محلہ سُنح میں رہتی
تھیں، آپ حضورؐ سے اجازت لے کر سُنح چلے گئے، چاشت کی نماز سے فارغ
ہوئے ہی تھے کہ حضورؐ کے وصال کی خبر ملی، فوراً مدینہ آئے، مسجد کے دروازے
پر ایک ہنگامہ برپا تھا، حضرت ابوبکرؓ چپ چاپ اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ
کے حجرے میں چلے گئے، جہاں حضورؐ تھے، چہرۂ مبارک سے چادر ہٹا کر
پیشانی انور کو بوسہ دیا، اور رو کر کہا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ
حیات مبارکہ میں بھی پاک و صاف تھے، اب موت کے بعد بھی پاک و صاف
ہیں۔ خدا کی قسم! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا، وہ موت جو آپ کے
لیے لکھی تھی واقع ہو چکی، پھر چادر اُڑھا کر باہر نکل آئے، دیکھا تو صحابہ کرام
کا عجیب حال ہے، کسی کے حواس ٹھکانے نہیں ہیں، حضرت عمرؓ تقریر کر
رہے تھے، اور قسم کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ کا انتقال نہیں ہوا ہے،
آپ نے کہا۔ عمرؓ بیٹھ جاؤ، مگر وہ آپ کی نہ سنتے تھے، جو ان کی بات سنتے، حضرت
ابوبکرؓ نے علیحدہ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی، لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر آپ کے
پاس جمع ہونے لگے، آپ نے فرمایا سنو! جو لوگ محمدؐ کی عبادت کرتے
تھے وہ جان لیں کہ محمدؐ مر گئے اور جو لوگ خدا کی عبادت کرتے تھے وہ سمجھ
لیں کہ خدا زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مرے گا، خدا فرماتا ہے:۔
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ   محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط   بہت سے رسول ہو چکے ہیں.

آپ کی یہ تقریر کیا تھی؟ ایک خدائی الہام تھا جس سے لوگوں کے بے قابو دل ٹھہر گئے، آپ نے قرآن شریف کی جو آیت پڑھی تھی اسے ہر شخص دوہرا رہا تھا، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے یہ آیت پہلے کبھی اتری ہی نہ تھی،

(خلفائے راشدین بحوالہ بخاری)

خدا نے حضرت ابو بکرؓ کو کتنا نرم دل، کتنا مضبوط دل اور کتنا روشن دل بنایا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو محبت تھی تو اتنی کہ ہر وقت حضور پر قربان ہونے کیلئے تیار رہتے، اور صبر و ضبط اتنا کہ جب کسی کا دل قابو میں نہ تھا تو آپ صبر و ضبط کی چٹان بنے ہوئے تھے اور سمجھ بوجھ ایسی کہ جب بڑے بڑوں کی عقل بے کار ہو گئی تھی آپ کی عقل برقرار تھی،

حضورؐ کی وفات دو شنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو ہوئی،

خلافت

مدینہ طیبہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے مسلمانوں میں شامل رہتے تھے مگر دل سے اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے، صرف دنیاوی مصلحتوں سے مسلمان بنے ہوئے تھے، ایسے لوگوں کو اللہ و رسولؐ نے منافق کہا ہے، زبان سے دوست، دل سے دشمن اور بدخواہ، ان لوگوں کو جب بھی کوئی موقع ملتا اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کی کوششوں سے باز نہ رہتے،

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے منافقوں کو ایک خطرناک چال چلنے کا موقع مل گیا، حضورؐ کے وفات پاتے ہی ایک مسئلہ پیدا ہو گیا تھا کہ حضورؐ کا خلیفہ اور جانشین کون ہو گا؟ منافقوں نے انصار سے کہا کہ خلافت تمہارا حق ہے۔ مہاجرین مکہ میں بے پناہ تھے، تم نے ان کو پناہ دی، تمہاری ہی قربانیوں سے اسلام کامیاب ہوا، تمہارے مقابلے میں خلافت کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟ منافقوں کا یہ تیر نشانے پر بیٹھ گیا، ابھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعش مبارک دفن بھی نہ ہوئی تھی کہ سقیفۂ بنی سعد میں انصار کی مجلس بیٹھ گئی، اور اس میں مسئلہ خلافت پر بحث شروع ہو گئی، اس مجلس میں انصار اگر کوئی فیصلہ کر ڈالتے تو بڑی خطرناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی، انصار و مہاجرین میں تصادم ہوتا اور آپس کے اس اختلاف سے اسلام کی قوت پاش پاش ہو جاتی،

اس طوفان میں حضرت صدیق اکبرؓ کی ذاتِ گرامی اسلامی سفینہ کیلئے ناخدا ثابت ہوئی، آپ کو جیسے ہی انصار کے اجتماع کی خبر ملی آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور امین الامت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر سقیفۂ بنو ساعدہ پہونچے،

انصار ابھی حد تک طے کر چکے تھے کہ خلیفہ انھیں میں سے ہو گا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ اپنے دونوں رفیقوں کو ساتھ لے کر بیٹھے تو انصار کا ایک مقرر کھڑا ہوا اور اس نے دعویٰ کیا کہ خلافت انصار کا حق ہے،

حضرت عمر فاروقؓ جوابی تقریر کرنا چاہتے تھے لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ان کو روک دیا اور کھڑے ہو کر خود تقریر فرمائی۔ حمد و صلوٰۃ کے

بعد آپ نے بتایا کہ ملتِ اسلامیہ میں انصار کا مقام کیا ہے؟ وہ سب سے پہلے اسلام لائے، سب سے پہلے اسلام کیلئے قربانیاں کیں، ان کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کا بھی شرف حاصل ہے، اس کے بعد انصار کے فضائل میں ارشاد فرمایا کہ اے انصار! تم اپنے متعلق جو کچھ کہتے ہو وہ صحیح ہے، بلاشبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہارا بھی خصوصی تعلق تھا، حضورؐ کی اکثر ازواجِ مطہرات تمہیں میں سے تھیں، لیکن اہلِ عرب قریش کے سوا کسی کی خلافت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کریں گے۔

اس تقریر کے بعد آپ نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ "لو ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔"

بلاشبہ یہ دونوں بزرگ اس منصب کے اہل تھے، لیکن حضرت صدیق اکبرؓ خود ان بزرگوں کے نزدیک ان سے اہل تر تھے، چنانچہ حضرت عمر کا بیان ہی کہ جس قوم میں حضرت ابو بکر موجود ہوں اس کا امیر بننے سے میرے لیئے یہ زیادہ آسان تھا کہ بغیر کسی گناہ کے میری گردن ماردی جائے۔ اور حضرت ابو عبیدہ کا حال یہ تھا کہ جب بعض لوگوں نے ان سے بیعت کرنی چاہی تو آپ نے فرمایا۔ تم میرے پاس آتے ہو، حالانکہ تمہارے اندر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقِ غار موجود ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تجویز کے جواب میں کہا کہ ہم خود آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، کہ آپ کو ہم پر افضلیت حاصل ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی سب سے زیادہ آپ سے محبت فرماتے تھے، یہ کہہ کر آپ نے حضرت ابو بکر کا ہاتھ پکڑا، آپ کے بیعت کرتے ہی اختلافات کے

بادل چھٹ گئے، اور مہاجرین و انصار سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھا دئے۔
حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا یہ اخلاص و ایثار یاد رکھنے کے قابل ہے، یہی کردار اصحاب رسولؐ کو دنیا کے لیڈروں سے ممتاز کر دیتا ہے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے معاملے میں جو لوگ اس کردار کو فراموش کر دیتے ہیں ان پر حیرت ہوتی ہے۔ امیر معاویہؓ کا احترام صحابیت بجا، لیکن اسلام کی نظر میں شخصیت سے زیادہ کردار کو عظمت و اہمیت حاصل ہے۔ اسلام مسلمانوں کے اندر یہی روح دیکھنا چاہتا ہے۔

تدفینِ رسولؐ

مسئلہ خلافت کے طے ہونے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک کے دفن کرنے کا موقع ملا، اب یہ بحث پیدا ہوئی کہ حضورؐ کو کہاں دفن کیا جائے؟ کچھ لوگوں کی رائے مسجدِ نبوی میں دفن کرنے کی تھی، اور کچھ لوگوں کی رائے صحابہؓ کے گورستان میں، حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ نبی وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارک میں ٹھیک اسی مقام پر جہاں حضورؐ کا وصال ہوا تھا، قبر شریف تیار کی گئی اور آپ اسی میں دفن کئے گئے،

بیعتِ عام اور اصولِ خلافت کا اعلان

سقیفہ بنو ساعدہ کی بیعت و خلافت ایک ناگہانی واقعہ کی صورت سے

عمل میں آئی تھی، ابھی یہ ضرورت باقی تھی کہ قوم کے سامنے باقاعدہ یہ معاملہ آئے اور بیعتِ عام ہو، چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تدفین کے دوسرے روز مسجدِ نبوی میں صحابہ کرامؓ کا اجتماعِ عام ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے مسئلۂ خلافت پر تقریر فرمائی، اس کے بعد بیعتِ عام ہوئی،

لوگ بیعت کر چکے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک تقریر فرمائی اس میں اعلان کیا کہ آپ کی خلافت خدا اور رسول کی اطاعت کی بنیاد پر ہوگی اگر آپ خدا اور رسول کی اطاعت کریں تو لوگ آپ کی اطاعت کریں اور اگر آپ کا طرزِ عمل اس کے خلاف ہو تو لوگوں پر آپ کی اطاعت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی، ـــــ آپ کی تقریر یہ ہے:۔

"لوگو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تم میں سب سے بہتر ہوں، اس لئے اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو اور اگر مجھ سے کوئی برائی ظاہر ہو تو مجھے سیدھا کر دو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے، انشاء اللہ تم میں کا کوئی کمزور آدمی بھی میرے نزدیک قوی ہوگا، جب تک میں اس کا حق اسے نہ دلوا دوں گا، اور انشاء اللہ تمہارا قوی آدمی بھی میرے نزدیک کمزور ہوگا جب تک میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں گا،

جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیتی ہے اللہ اس پر ذلت کی مار مار دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے تو اللہ اس میں مصیبت عام کر دیتا ہے،

میں خدا اور رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اور اگر

تیں خدا اور رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت کی کوئی ذمہ داری نہیں نماز کیلئے کھڑے ہو جاؤ۔ تم پر اللہ کی رحمت ہو، (ابن ہشام)

یہ تھے خدا کی زمین پر خدا کی حکومت قائم کرنے والے، اور خدا کے رسول کے سچے فرماں بردار، یہ ایسے نہ تھے کہ دعویٰ تو کریں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کا اور جب ان کے ہاتھ میں اختیار و اقتدار آئے تو خدا کے بندوں پر اپنا حکم چلانے لگیں، ان کی حکومت و امارت خدا اور رسول کے احکام و ہدایات جاری کرنے کیلئے تھی،

اِختلافات کا ازالہ!

روایتوں میں بعض اکابر صحابہؓ کی نسبت ملتا ہے کہ ان کو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے اختلاف تھا، یہ حضرت علیؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، اور حضرت سعد بن عبادہؓ رئیسِ انصار تھے، لیکن اس اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی اور یہ بڑی خوش اسلوبی سے دور ہو گیا تھا،

امیر معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ کی قبائلی اور خاندانی عصبیت کا یہ حال تھا کہ آغازِ رسالت سے لے کر فتحِ مکہ تک وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف رہے، غزوۂ بدر میں ابوجہل کے مارے جانے کے بعد فتحِ مکہ تک وہی مشرکین قریش کے سردار تھے، انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے خلاف حضرت علیؓ کو بھڑکاتے ہوئے کہا "آپ دیکھتے نہیں کہ خلافت قریش کے سب سے پست خاندان میں چلی گئی ہے — خدا کی قسم! آپ چاہیں تو میں مدینہ کو سوار اور پیادوں سے بھر دوں"

حضرت علیؓ یہ سن کر برہم ہو گئے، فرمایا:" ابو سفیان! تم اسلام اور مسلمانوں کے پرانے دشمن ہو، تم ایسی باتوں سے اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، ابوبکرؓ ہر طرح خلافت کے اہل ہیں۔"

ایک روایت کے بموجب ابو سفیان نے یہاں تک کہا، آپ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، لیکن حضرت علیؓ نے انکو جھڑک دیا۔

حضرتِ علیؓ کو صرف اس کی شکایت تھی کہ ان کو ساتھ لیے بغیر خلافت کا معاملہ طے کر لیا گیا، خود بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ میں اس معاملہ پر گفتگو ہوئی تو حضرت علیؓ نے کہا: ہم آپ کی فضیلت کو اور اللہ نے آپ کو جو بھلائی (منصبِ خلافت) بخشی ہے اس میں ہم آپ کی ریس نہیں کرتے، ہم کو صرف اس کا رنج ہے کہ آپ نے خلافت کا معاملہ از خود طے کر لیا۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک موقع پر حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا۔ ہم کو صرف اس بات پر غصہ تھا کہ خلافت کے مشورہ کے وقت ہمیں نظر انداز کر دیا گیا، ورنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ابوبکرؓ ہی کو سمجھتے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی اور دو میں سے دوسرے ہیں، (جن کی فضیلت قرآن میں وارد ہے)، ہم ان کی شان وعظمت سے واقف ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارک ہی میں ان کو اپنی جگہ، نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔" (صدیق اکبرؓ)

حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت زبیرؓ، بڑی شخصیت کے مالک اور

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی قرابتدار تھے، اس لئے ان کا احساس بجا تھا، لیکن ہم دیکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکر کی خلافت کتنی نازک حالت میں قائم ہوئی، اس کا موقع ہی کہاں تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو ساتھ لیا جاتا؟

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہؓ (رئیسِ انصار) کے متعلق بھی روایتوں میں بہت کچھ ہے لیکن انھیں روایتوں میں مسند احمد حنبل کی یہ روایت بھی ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کی فضیلت بیان کرتے ہوئے حضرت ابوبکر نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو خطاب کر کے فرمایا۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرمایا تھا کہ قریش ولاۃ ھذا الامر (قریش مسئلۂ خلافت کے سربراہ ہوں گے) تو اس وقت آپ بھی بیٹھے تھے، آپ کو یاد ہے نا؟۔ حضرت سعدؓ کا جواب تھا۔ جی ہاں! آپ سچ کہتے ہیں، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے فرمایا۔ نحن الوزراء وانتم الامراء۔ ہم (انصار) وزیر ہوں گے اور آپ (قریش) امراء،

اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے بھی حضرت صدیقؓ کی خلافت سے اتفاق کر لیا تھا،

روایتوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایک اور تقریر موجود ہے، جو آپ نے اپنی خلافت کے متعلق فرمائی تھی، آپ نے لوگوں سے معذرت کرتے ہوئے فرمایا۔ خدا کی قسم! میں نے کسی دن اور کسی رات میں کبھی امارت کا لالچ نہیں کیا، نہ مجھے اس کی کوئی رغبت تھی اور نہ میں نے اس کیلئے علانیہ یا پوشیدہ کبھی خدا سے دعا مانگی، البتہ مجھ کو فتنہ کا خوف تھا، (اسی لئے

میں نے یہ ذمہ داری قبول کرلی) ورنہ امارت میں میرے لئے کوئی راحت نہیں ہے، اس کے برعکس میری گردن میں ایسی عظیم ذمہ داری کا طوق ڈال دیا گیا ہے جس کی برداشت کی، بغیر خدا کی توفیق کے، مجھ میں طاقت و قوت نہیں ہے، میری خواہش تو یہ تھی کہ میری جگہ اس منصب پر کوئی سب سے زیادہ قوی اور توانا شخص ہوتا، (صدیق اکبر بحوالہ مستدرک)

حضرت ابوبکر صدیقؓ پر اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں، وہ اپنے ہر قول و عمل سے صدیق تھے، زمانۂ خلافت کی ان کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ خلافت ان کیلئے راحت نہیں ایک عظیم ذمہ داری تھی، ان کی خلافت کے شب و روز پھولوں کی سیج پر نہیں کانٹوں کے بستر پر گذرے، اور اسی حالت میں وہ اپنے محبوبؐ اور اللہ کے حبیبؐ سے جا ملے،

بغاوت و سرکشی کا عدیم النّظیر مقابلہ

مکہ معظمہ کی فتح کو صرف ڈھائی سال گذرے تھے، جنگِ حنین اس کے بھی بعد ہوئی، غزوہ تبوک ۹ھ میں پیش آیا، اسلام کی تکمیل تو حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ہوئی، اس کے صرف تین مہینے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنے جوارِ رحمت میں بلا لیا، ابھی پورے عرب میں اسلامی حکومت کو استحکام حاصل نہیں ہوا تھا، ملک میں مختلف عناصر تھے، یہودی تھے، نصرانی تھے، مجوسی تھے، وہ بھی تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور وہ بھی تھے جن کے دلوں میں کفر و شرک موجود تھا، اسلامی اقتدار سے مرعوب ہو کر مسلمان ہو گئے تھے، اور ایسی صحرائی آبادیاں بھی تھیں جو برائے نام مسلمان تھیں، اسلامی تعلیم و تربیت

نہ ہونے سے ان کے دلوں میں اسلام کی حقیقت اتر نہ سکی تھی،

ہر ملک و قوم میں کچھ اہلِ عزم بھی ہوتے ہیں، ان کے اندر بڑا بننے اور اقتدار و اختیار حاصل کرنے کا فطری جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ غیر اسلامی عناصر میں ایسے لوگ بھی موجود تھے، ان کو کیا خبر کہ رسالت و نبوت اور خدا کی نصرت و تائید کے کیا معنی ہوتے ہیں، جب ایسے لوگوں نے دیکھا کہ ہمارے ملک کا ایک شخص رسالت و نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھا اور کامیاب ہو گیا، تو ہم بھی اپنا عزم و حوصلہ کیوں نہ آزمائیں، چنانچہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک کی قسمت کا فیصلہ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام علالت ہی میں ہو گیا لیکن بغاوت و سرکشی کی جو آگ بھڑک چکی تھی وہ ٹھنڈی نہ ہوئی، بلکہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہی رہی، اور جب حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو تقریباً سارا عرب اسی آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا،

حضرت ابوبکرؓ کیلئے یہ کتنا حوصلہ آزما وقت تھا، اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایک بیان سے کیجئے، فرماتے ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم کو ایسے حالات سے سابقہ پیش آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ہم لوگوں پر احسان نہ فرماتا تو ہم ہلاک ہو جاتے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد میرے والد پر ایسے مصائب و حوادث ٹوٹے کہ اگر بڑے بڑے پہاڑوں پر نازل ہوتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، ایک طرف مدینہ میں نفاق گھسا ہوا تھا اور دوسری طرف عرب مرتد ہونے لگے تھے۔

(صدیق اکبر بحوالہ فتوح البلدان)

جیشِ اسامہ رضؓ کی روانگی

عرب اور شام کی سرحد پر جو عرب قبائل آباد تھے انھوں نے رومی سلطنت کے ماتحت اپنی ریاستیں قائم کرلی تھیں اور عیسائی مذہب بھی قبول کرلیا تھا، انھیں ریاستوں کے ایک حاکم شرجیل بن عمرو نے قاصد نبوی حضرت حارث بن عمیرؓ کو شہید کر دیا تھا، انھیں کے انتقام کیلئے ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج بھیجی تھی، اس جنگ میں حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر طیار، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہوئے تھے، اس وقت سے ان سرحدی ریاستوں کے رؤساء مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے کیونکہ ان کی پشت پر رومی سلطنت کی طاقت موجود تھی،

ایک بار یہ خبر بھی اڑ گئی تھی کہ قیصرِ روم مدینہ منورہ پر انھیں رئیسوں کے ساتھ حملہ آور ہونا چاہتا ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حملہ کو روکنے کیلئے خود تبوک تک گئے تھے اس موقع پر دشمن سامنے نہیں آئے، مگر ان کی سرکوبی ضروری تھی، تاکہ ان کو مدینہ پر حملہ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہے۔ اسی غرض سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک فوج سرحدِ شام کی طرف روانہ فرمائی، لیکن ابھی یہ فوج مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر مقام جرف تک ہی پہنچی تھی کہ حضورؐ کی علالت سخت ہوگئی اور فوج وہیں ٹھہر گئی۔

اب ایک طرف عرب کی بغاوت وسرکشی کا مسئلہ تھا، دوسری جانب حضرت اسامہ رضؓ کی فوج کی روانگی کا، حضرت ابوبکرؓ نے خلافتِ رسولؐ کا حق کس عقیدت وارادت اور وفاداری سے ادا کیا، یہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کی سیرت وکردار کا ایک درخشاں عنوان ہے۔

صحابہ کرامؓ کی متفقہ رائے تھی کہ تمام عرب میں بغاوت وسرکشی اور فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہے، خود مدینہ منورہ تک اس کی لپٹیں پہونچ رہی ہیں، ایسی نازک گھڑی میں فوج کا باہر بھیجنا مناسب نہیں ہے، لیکن خلیفۂ رسول کا جواب تھا، "اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر مدینۂ منورہ اس طرح خالی ہو جائے کہ میں اکیلا رہ جاؤں اور درندے اور کتے مجھ کو نوچ کھائیں جب بھی میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اسامہؓ کی فوج کو اس مہم پر روانہ کروں گا"!

حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ خلیفۂ رسولؐ اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تو انصارِ کرامؓ کے رجحان کے مطابق کہا۔ "اسامہؓ کی فوج میں بڑے بڑے سن رسیدہ اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں، اور اسامہ نوجوان ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ ان کی جگہ فوج کی امارت پر کوئی بڑی عمر کا آدمی مقرر کیا جائے"، اس تجویز کا سننا تھا کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کا غصہ بھڑک اٹھا فرمایا۔ "اے ابنِ خطاب! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو اسامہؓ کو امیر لشکر مقرر فرمایا، اور تم کہتے ہو کہ میں ان کو معزول کر دوں۔"؟

کیا کردار تھا حضرت صدیقِ اکبرؓ کا! حضرت اسامہؓ کی فوج میں بڑے

بڑے جلیل القدر صحابہ نامزد تھے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ بھی حضورؐ کے نامزد کردہ ہیں وہ سب فوج کے ساتھ جائیں۔

فوج روانہ ہونے لگی تو حضرت اسامہؓ اپنے والدِ بزرگوار حضرت زید بن حارثہؓ کے اسی گھوڑے پر سوار تھے جس پر جنگ کرتے ہوئے وہ موتہ میں شہید ہوئے تھے، ذرا آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حق پسندی اور شانِ خودداری کو ملاحظہ کیجئے، جن دشمنوں کے مقابلے میں فوج کی امارت کرتے ہوئے باپ شہید ہوا ان دشمنوں کی فوج کی سرکوبی کیلئے جو فوج جائے گی اس کا امیر بھی اسی کا بیٹا ہوگا، کیا فکر و نظر تھی! سبحان اللہ! اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْہِ

حضرت ابوبکر صدیقؓ پیادہ پا حضرت اسامہؓ کے ساتھ ہو لئے حضرت اسامہؓ نے عرض کیا، یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا پھر میں بھی سواری سے اتر جاؤں۔ فرمایا۔ تم کو خدا کی قسم جو سواری سے اترو، میں ہرگز سوار نہ ہونگا کیا ہوا جو خدا کی راہ میں کچھ دیر کیلئے میرے پاؤں غبار آلود ہو جائیں غازی کے ہر ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں،

یہ تھے خدا کی راہ کے قدر شناس اور نیکیوں کے حریص! حضرت فاروق اعظمؓ بھی اس فوج میں نامزد تھے، حضرت خلیفہ رسولؐ نے ان کو رائے و مشورہ کیلئے روکنا چاہا تو حضرت اسامہؓ سے اجازت لے کر روکا، یہ تھی ضابطے کی پابندی، آج کی دنیا کے کتنے حکمراں ہیں جو اپنے قانون اور ضابطے کا اس طرح احترام کرتے ہیں؟

حضرت اسامہؓ کو خدا نے اس مہم میں پوری کامیابی عطا فرمائی، مسلمانوں کا ایک آدمی بھی کام نہیں آیا، حضرت زید بن حارثہؓ کا قاتل زندہ گرفتار

ہوا اور قتل کیا گیا، مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا، جو دستور کے مطابق فوج میں تقسیم کر دیا گیا،

حضرت اسامہ منظفر و منصور مدینہ واپس آئے تو خلیفہ رسولؐ اور اکابر صحابہ رضؓ کے علاوہ خواتین تک نے ان کا استقبال کیا، حضرت اسامہ رضؓ کی شان یہ تھی کہ والدِ بزرگوار کے گھوڑے پر سوار تھے، حضرت بریدہؓ کے ہاتھ میں فاتحانہ پرچم تھا جو حضرت اسامہ رضؓ کے آگے آگے لہرا رہا تھا، یہ وہی پرچم تھا جس کے متعلق فوج کی روانگی کے خلاف صحابہؓ کی رائے کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا۔ کہ جس پرچم کو حضرت رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھولا تھا میں اسے کیوں کر لپیٹ دوں؟

اس مہم کی کامیابی کا اندر اور باہر دونوں طرف غیر معمولی اخلاقی اثر ہوا حضرت ابوہریرہؓ کی زبان سے جوشِ مسرت میں تین بار نکلا۔ لا الٰہ الا اللہ! اگر ابوبکرؓ خلیفہ نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت نہ ہوتی، (صدیق اکبر بحوالہ ابن عساکر)

قیصر روم اس وقت حمص میں تھا، اس پر یہ اثر ہوا کہ اس نے عیسائی پادریوں اور پیشواؤں کو جمع کر کے کہا۔ دیکھو یہ وہی لوگ ہیں جن سے میں تم کو خبردار کرتا رہتا تھا اور تم نہیں مانتے تھے، ان عربوں کے حوصلے کو دیکھو ایک مہینے کا سفر طے کر کے آتے ہیں اور تم پر چھاپا مار کر صحیح و سلامت واپس چلے جاتے ہیں، شام کی سرحد کے قبیلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بغاوت کی تیاریاں کر رہے تھے، ان کے حوصلے پست ہو گئے، انھوں نے سمجھ لیا کہ مسلمان کمزور ہوتے تو ایسے نازک وقت میں فوج لے کر اتنے دور دراز

مقام تک نہ چڑھ آتے،

پیغمبر اسلامؐ نے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ جب تک شام کی طرف فوجیں روانہ نہ کی جائیں گی عرب قبائل پر امن نہیں رہ سکتے، ابوبکر صدیقؓ اس کی اہمیت سے واقف تھے، اس وجہ سے باوجود شدید مخالفت اور سخت خطرات کے انھوں نے حضرت اسامہؓ کی زیر قیادت ایک بڑا لشکر شام روانہ کیا تھا۔ (صدیق اکبرؓ)

واقعات کو صرف واقعات کی نظر سے نہ پڑھئے، غور بھی کرتے چلئے، سیرت کے مطالعہ کا یہی مقصد ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زندگی بھر کپڑے کی کی تجارت کی، تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں خلافت کے منصب پر مامور ہوئے، اس وقت بھی آپ کاندھے پر کپڑے کی گٹھری رکھ کر گھر سے نکلے، اور اس کام کو اس وقت چھوڑا جب صحابہ کرام نے آپ کو اس سے روکا اور کہا کہ اب آپ کو اس کام کا موقع کہاں ہے؟ اور بیت المال سے آپ کیلئے معمولی گذارا مقرر کر دیا گیا، اب آپ سوچئے کہ یہ کس کی تعلیم و تربیت کا اثر اور کس کی صحبت و رفاقت کا فیضان تھا کہ زندگی بھر کپڑے کی گٹھری لے کر پھرنے والا اتنا بڑا فوجی اور سیاسی ماہر ہو گیا جس کی مہارت سے قیصر روم بھی مرعوب ہے، اور برطانیہ جیسی دنیا کی ترقی یافتہ اور ممتاز سلطنت کے سیاستداں اور علماء بھی اس کی سیاستدانی کا اعتراف کرتے ہیں، یہ فیضان تھا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا، جو خود اُمّی تھے! جنگجو تو آپ کو وحشی قوموں میں بھی مل جائیں گے، لیکن جنگی سیاست دانی کے ساتھ اخلاق و کردار کا یہ نمونہ آپکو کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتا اور یہی فرق ہے رسالت

کی تعلیم و تربیت اور دوسری تعلیم و تربیت ہیں،

نبوّت کے جھوٹے دعویٰ دار

نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کے نام یہ ہیں،

۱۔ اسود عنسی۔ یہ یمن کا رہنے والا تھا،

۲۔ مسیلمہ۔ یہ یمامہ کا باشندہ تھا،

۳۔ طلیحہ اسدی۔ یہ قبیلہ بنی اسد سے تھا، اس کو قبیلہ غطفان اور اور طے کے قبائل میں خاص رسوخ و اثر حاصل تھا،

۴۔ سجاح بنت حارث۔ یہ قبیلۂ تغلب کی ایک عورت تھی،

اسود عنسی کو شعبدہ بازی میں کمال حاصل تھا، اس نے ایک گدھے کو سدھا رکھا تھا، اس سے کہتا کیا تو اپنے رب کو سجدہ نہ کرے گا؟ یہ کہہ کر اسے بیٹھنے کا حکم دیتا اور وہ بیٹھ جاتا، جہالت کا زمانہ تھا، لوگ اس طرح کے فریب میں آسانی سے گرفتار ہو جاتے،

اسود عنسی نے ایک بڑا گروہ تیار کر کے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت برپا کر دی، جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اس خطے میں بھی ایسے ہی لوگوں کی تعداد زیادہ تھی جو کسی نہ کسی حیثیت سے اسلام کے مخالف تھے، اور جو مسلم تھے ان میں کم ہی ایسے تھے جو صحیح معنوں میں مسلمان ہوئے تھے، اس لئے اسود عنسی بڑی آسانی سے آگے بڑھتا ہوا صنعاء پہونچ گیا جو یمن کا صدر مقام تھا، اس وقت اسلامی حکومت کی طرف سے یہاں کا حاکم شہر بن باذان تھا، یہ ایرانی النسل تھا اور اس سے پہلے اسی صنعاء میں

ایرانی حکومت کی طرف سے گورنر تھا، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہوگیا تھا، اسود عنسی نے شہر بن باذان کو شہید کرکے اس کی بیوہ کو زبردستی اپنے حرم میں داخل کرلیا تھا، شہید کے چچا فیروز دیلمی نے بیوہ بہو کی مدد سے اسود عنسی کو قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور جن لوگوں نے اسلامی فوج سے مقابلہ کیا وہ مارے گئے۔

اسود عنسی نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور حضورؐ کی ہدایت کے مطابق اس کے خلاف فوج کشی کی گئی تھی، حضورؐ کی وفات سے پانچ روز پہلے ہی اسود مارا گیا لیکن مدینہ میں یہ اطلاع حضورؐ کی وفات کے دس روز بعد پہونچی، خلافت صدیقی کی یہ پہلی خوشخبری تھی،

نبوت کے باقی تین جھوٹے مدعیوں کے معاملے نے کافی طول کھینچا اور ان کے ساتھ غازیانِ اسلام کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ان کے حالات آئندہ لکھے جائیں گے۔

شمشیرِ صدیقی کی برق پاشیاں

جھوٹے مدعیانِ نبوت کے فتنے کے ساتھ ساتھ اور بھی نئے نئے فتنے اٹھ کھڑے ہوئے، عبس، ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ کے قبیلے مدینہ طیبہ کے گرد و نواح میں آباد تھے، ان قبیلوں کی طرف سے دعوے کیے گئے کہ ہم نماز تو پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہ دیں گے، ان میں سے بعض کہتے تھے

زکوٰۃ دینے ہی سے انکار تھا اور بعض کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ تو دیں گے لیکن اسے خود ہی خرچ کریں گے، مدینہ نہ بھیجیں گے، جو لوگ سرے سے زکوٰۃ دینے کے منکر تھے ان کا دعویٰ تو سراسر اسلام کے خلاف تھا، اور جو اپنی زکوٰۃ مدینہ بھیجنے کے منکر تھے ان کا طرزِ عمل بھی انکار ہی کے مترادف اور کھلا ہوا باغیانہ تھا،

یہ عجیب اتفاق تھا کہ صحابہ کرامؓ کی عام رائے جس طرح حضرت اسامہ بن زید کی فوج کی روانگی کے خلاف تھی اسی طرح صحابہ کرام کی عام رائے منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے بھی خلاف تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جس طرح پہلے معاملے میں خلافتِ رسول کا حق ادا کیا اسی طرح دوسرے معاملے میں بھی کیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی فہم و بصیرت اور استقامت و پامردی کی یہ وہ انفرادیت تھی کہ بالآخر صحابۂ کرام کو آپ ہی کی رائے کی اصابت کو تسلیم کرنا پڑا،

صحابۂ کرام کی رائے یہ تھی کہ ابھی ان عربوں کا اسلام نیا نیا ہے جب یہ اس کی حقیقت کو سمجھ لیں گے تو خود زکوٰۃ ادا کرنے لگیں گے، لیکن خلیفۂ رسول حضرت صدیق اکبرؓ کی نگاہ اس سطح سے بہت بلند تھی، آپ نے فرمایا۔ حضرت خدا کی قسم! اگر یہ لوگ اونٹ کے پیر باندھنے کی ایک رسی بھی جسے وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دیا کرتے تھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس رسی کیلئے بھی ان سے جنگ کروں گا،

نیز آپ نے فرمایا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے (یعنی نماز ہی کی طرح مالی عبادت ہے) اس لئے جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے میں ان سے جہاد کروں گا،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی رائے کو صائب سمجھتے تھے،

انھوں نے کہا۔ آپ منکرینِ زکواۃ سے جنگ کیسے کریں گے؟ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ نہ کہیں لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے تو ان کی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے، الا یہ کہ ان پر کسی کا حق ہو۔"

حضرت ابوبکرؓ کی رائے کی بنیاد بھی کتابِ الٰہی اور سنتِ نبوی ہی تھی، آپ کا فرمانا تھا کہ نماز اور زکواۃ میں فرضیت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں جا بجا نماز و زکواۃ کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں طائف کا وفد آیا، اس کا کہنا یہ تھا کہ ہم اس شرط پر مسلمان ہونے کو تیار ہیں کہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ کر دیا جائے، حضورؐ نے ان کی شرط کو رد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اِنَّهٗ لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَا صَلٰوةَ فِيْهَا۔ (یعنی اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو) دین میں بالکل یہی نوعیت زکوٰۃ کی بھی ہے،

حضرت عمرؓ پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے استدلال کا کیا اثر ہوا، اس کے بارے میں وہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے تھوڑی ہی دیر میں دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقت فہمی کیلئے ابوبکرؓ کا سینہ کھول دیا ہے۔

یہ اس حالت کی بات ہے جب صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے دور تھی، اور یہ صورتِ حال منکرین زکوٰۃ کے نمائندے مدینہ آکر اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے تھے، اس لئے انھوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، ادھر حضرت ابوبکرؓ کی

بصیرت بھی اس سے بے خبر نہ تھی، آپ نے بھی حضرت علی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی ماتحتی میں مدینہ طیبہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کر دئے، اور جو لوگ شہر میں رہ گئے تھے ان پر مدینہ طیبہ کی حفاظت لازم کر دی تھی اور خبردار کر دیا کہ مسلمانو! منکرینِ زکوٰۃ کے نمائندے تمہاری قلتِ تعداد کو دیکھ کر گئے ہیں، کچھ معلوم نہیں کہ یہ صبح کو حملہ کر دیں یا شب میں۔ تم تیار ہو جاؤ اور ان کی طرف سے ہوشیار رہو۔!

حضرت ابوبکرؓ کا اندیشہ بیجا نہ تھا، منکرینِ زکوٰۃ کے جو نمائندے مدینہ سے ناکام گئے تھے اور طلیحہ اسدی کے زیرِ اثر تھے، انھوں نے اپنے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو ذوحسی میں متعین کر دیا جو مدینہ طیبہ کے قریب نجد کے راستے پر واقع ہے، اور ان کا دوسرا حصہ مدینہ طیبہ کی طرف بڑھا، حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ فوراً شتر سواروں کو لے کر مقابلہ کیلئے روانہ ہو گئے، حملہ آوروں کو مقابلے کا حوصلہ نہ ہوا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور پیچھا کرتے ہوئے ذوحسی تک پہونچ گئے، ذوحسی والوں نے یہ ترکیب کی کہ چمڑے کے تھیلوں میں پھونک سے ہوا بھر کر غبارہ کی شکل بنا دیا اور ان میں رسیاں باندھ کر مسلمانوں کے اونٹوں کی طرف پھینک دیا، اونٹوں کو اس صورتِ حال کا کبھی سامنا نہیں ہوا تھا، وہ بدک کر بھاگے تو مدینہ ہی آ کر دم لیا،

باغیوں کو اس فرضی کارروائی سے جو فرضی کامیابی ہوئی تھی اس سے

ان کے ساتھی دوسرے قبیلوں کے حوصلے بڑھ گئے، اب انھوں نے مدینہ منورہ پر زبردست حملہ کی غرض سے ذوالقصہ والوں کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہو جائیں، یہ مقام بھی مدینہ سے قریب ہی تھا، اور یہاں خود طلیحہ کا بھائی حبال موجود تھا،

حضرت ابوبکرؓ نے بھی رات ہی رات ایک نئی فوج تیار کی، داہنے بازو پر نعمان بن مقرنؓ کو، بائیں بازو پر ان کے بھائی عبداللہ کو اور پچھلے حصے پر ان کے بھائی سوید کو افسر مقرر فرمایا، اور صبح ہوتے ہوتے دشمنوں کے سر پر جا پہنچے، اور تلوار چلانی شروع کر دی، دشمن بدحواسی کے عالم میں بھاگے، حضرت ابوبکرؓ نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا، اور جب دیکھا کہ اب ان میں مقابلے کا حوصلہ نہیں ہے تو حضرت نعمان بن مقرنؓ کو ایک دستے کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ واپس آ گئے۔

اس کامیابی کے ساتھ کامیابی کی ایک اور صورت پیدا ہو گئی، کہ جن قبیلوں کے سردار سچے دین دار اور مسلمان تھے وہ اپنے قبیلوں کی زکوٰۃ لے کر دربارِ خلافت میں آئے، جس سے مالی دقتیں بھی دور ہو گئیں

قبیلوں کے سرداروں کا زکوٰۃ لے کر آنا ایک بڑا دل خوش کن منظر تھا، جو حضرات شہر کی حفاظت پر متعین تھے وہ کسی سردار کو ساتھ لے کر شہر میں آتے تو مسلمان خوش ہو کر کہتے هٰذَا نَذِيرٌ (یہ خبردار کرنے والا ہے) حضرت ابوبکرؓ فرماتے۔ هُوَ بَشِيرٌ وَحَامٍ وَلَيْسَ لِوَانٍ (نہیں یہ نذیر نہیں بلکہ بشارت دینے والے، اسلام کی حمایت کرنے والے ہیں، یہ سست نہیں ہیں)

ذوالقصہ سے حضرت ابوبکرؓ کی واپسی کے بعد باغی قبائل نے وہاں جو گھوڑے سے مسلمان تھے انھیں دھوکے سے قتل کر دیا، حضرت ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے قسم کھا کر فرمایا۔ کہ جب تک مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بدلہ نہ لے لوں گا اطمینان سے نہ بیٹھوں گا، اسی درمیان میں حضرت اسامہ اپنی فوج لیئے ہوئے مدینہ واپس آ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ میں حضرت اسامہؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور فرمایا۔ تم آرام کرو، اس کے بعد آپ نے مجاہدین کو لے کر ذوالقصہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو صحابۂ کرامؓ نے بڑی منت سماجت کے ساتھ کہا کہ خلیفۂ رسول! ہم آپ کو قسم دیتے ہیں کہ آپ نہ جائیے، خدانخواستہ آپ کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہ رہے گا، آپ کی یہاں موجودگی دشمن کیلئے بھی مرعوب کن ثابت ہوگی، آپ اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیجئے، کہ اگر وہ کام آ گئے تو آپ ان کی جگہ پھر کسی دوسرے کو بھیج سکتے ہیں،

حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے والد بزرگوار سواری پر بیٹھے اور ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ذوالقصہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو علی بن ابی طالبؓ ان کی سواری کی باگ روک کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے خلیفۂ رسول! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہوں گا جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ سے فرمایا تھا، آپ اپنی تلوار میان میں کیجئے، اور اپنے کو خطرے میں نہ ڈالئے، حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔ خدا کی قسم! میں یہ نہ کروں گا، اور نہ اپنی ذات کی بھلائی کیلئے تمہاری ہمدردی قبول کروں گا،

الحاصل حضرت صدیق اکبرؓ مجاہدینِ اسلام کو لے کر روانہ ہو گئے اور تمام باغی اور سرکش قبائل کی سرکوبی کر کے پوری کامیابی کے ساتھ مدینہ طیبہ واپس آئے، چاہیئے تو یہ تھا کہ باغیوں اور نام نہاد مسلمانوں کی آنکھیں کھل جائیں لیکن وہ راہ راست پر آنے کی بجائے کھلم کھلا مرتد اور باغی ہو گئے،

مدعیانِ نبوت اور مرتدین سے عام جنگ

مدینہ منورہ کے قرب وجوار کو خطرات سے پاک کرنے کے بعد مدعیانِ نبوت اور مرتدین سے عام جنگ شروع ہوئی، یہ جنگ کتنی اہم تھی اور اس کا دائرہ کتنا وسیع تھا اس کا اندازہ ذیل کی تفصیل سے ہو سکتا ہے:۔

مجاہدینِ اسلام کی تعداد آٹھ ہزار تھی، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کے گیارہ حصے کئے اور ہر حصے پر ایک سپہ سالار مقرر کر کے ان کو حسبِ ذیل مقامات پر روانہ کیا،

(۱) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو طلیحہ اسدی اور مالک بن نویرہ کے مقابلہ پر،

(۲) حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ کو مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ کے مقابلے پر یمامہ،

(۳) حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو حضرت عکرمہؓ کی مدد پر۔

(۴) حضرت مہاجر بن ابی امیہؓ کو اسود عنسی کے پیروؤں کے مقابلہ پر یمن اور حضرموت،

(۵) حضرت عمرو بن العاصؓ کو عرب اور شام کی سرحد پر،

(۶) حضرت خالد بن سعیدؓ کو سرحدِ شام پر،

(۷) حضرت علاء بن حضرمیؓ کو بحرین پر،

(۸) حضرت سوید بن المقرنؓ کو یمن کے نشیبی علاقے پر،

(۹) حضرت عرفجہ بن ہرثمہؓ کو مہرنا پر،

(۱۰) حضرت حذیفہ بن محصنؓ کو عمان پر،

(۱۱) حضرت معن بن حاجزؓ کو بنی سلیم اور ہوازن پر،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس وقت نئی نئی اسلامی حکومت کو کیسی سخت مشکل کا سامنا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ کے عزم و حوصلہ کا کیا عالم تھا؟ آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو اس کی ہمت جواب دے دیتی،

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے، اور وہ مسلمانوں کو اسی کی تعلیم دیتا ہے، اسے جنگ اور خون ریزی پسند نہیں، وہ اسی حالت میں جنگ کی اجازت دیتا ہے جب اس کے سوا فتنہ و فساد کے دور کرنے کا کوئی اور طریقہ باقی نہ رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے سچے نمائندے تھے، وہ بڑے چھوٹے ہر کام میں اسلام کی تعلیم و ہدایت کو پیش نظر رکھتے تھے، نبوت کے جھوٹے دعویداروں، اسلام سے پھر جانے والوں اور اسلام کے بدخواہوں نے تمام عرب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی تھی، اور وہ اسلامی حکومت کو ختم کر دینا چاہتے تھے، پھر بھی حضرت صدیق اکبرؓ نے ایسا نہیں کیا کہ فوج کو حکم دے دیں کہ وہ دشمنوں کے سر پر پہونچ کر یکایک جنگ شروع کر دے، بلکہ ایک فرمان سپہ سالاران اسلام کیلئے لکھوایا، اور ایک اعلان باغیوں اور دین سے پھر جانے والوں کے نام یہ دونوں تحریریں گوناگوں خصوصیات کی حامل ہیں، جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ ایک طرف تو نہایت اولوالعزم، ثابت قدم

اور دینِ حق کے سچے علمبردار تھے، اور دوسری طرف انتہائی فراخدل، روادار، امن پسند اور خیر خواہ خلائق تھے، آپ نے سپہ سالارانِ اسلام کے نام جو فرمان لکھوایا تھا اس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے،

(۱) — جو لوگ اسلام سے پھر گئے ہیں ان کو پہلے اسلام کی طرف بلایا جائے اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے، اور اگر نہ قبول کریں تو ان پر ہر طرف سے حملہ کیا جائے، یہاں تک کہ وہ اسلام میں واپس آجائیں،

(۲) — جو لوگ اسلام کا اقرار کریں ان کو بتایا جائے کہ ان پر اسلام کے حقوق کیا ہیں اور ان کے حقوق اسلام پر کیا ہیں۔ پھر ان پر اسلام کا جو حق ہو وہ ان سے لیا جائے، اور اسلام پر ان کا جو حق ہو وہ ان کو دیا جائے۔

(۳) — جو لوگ اس کیلئے تیار نہ ہوں ان کو نہ مہلت دی جائے اور نہ مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے سے روکا جائے۔ لیکن اس کے بعد بھی جو شخص اسلام کا اقرار کرے اس کا اسلام قبول کرلیا جائے اور دین کے حکم کے مطابق اس کی مدد کی جائے جو شخص اسلام قبول کرے اس سے جنگ جائز نہیں، اگر اس سلسلے میں وہ کوئی بات اپنے دل میں پوشیدہ رکھے تو اس سے اس کا حساب لینا اللہ کا کام ہے،

اسی طرح مختلف شکلیں بیان کرنے کے بعد ہدایت کی گئی تھی کہ جو لوگ انکار اور لڑائی کے بعد بھی اسلام قبول کرلیں تو ان کا اسلام قبول کرلیا جائے، آخر تک انھیں سے جنگ کرنے کا حکم تھا جو کسی طرح اسلام میں واپس آنے کیلئے تیار نہ ہوں، اعلان کے آخر میں افسروں کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کو جلد بازی اور بدنظمی سے باز رکھیں اور ان میں کسی غیر آدمی کو داخل نہ ہونے دیں، ممکن ہے وہ شخص جاسوس ہو اور اس سے مسلمانوں کو نقصان

پہنچے، کوچ اور مقام میں مسلمانوں کے ساتھ نرمی برتی جائے، اور ان کو اس بات کی ہدایت کی جائے کہ وہ آپس میں نیکی سے پیش آئیں اور بات چیت میں نرمی کا خیال رکھیں،

حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ خاص طریقہ تھا کہ وہ جب بھی افسروں کو کہیں بھیجتے تو ان کو تقویٰ و پرہیزگاری اور مسلمانوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ضرور ہدایت فرماتے تھے،

باغیوں کے نام اعلان

جنگی کارروائی کرنے سے پہلے باغیوں اور مرتدوں کے نام ایک اعلان جاری کیا گیا، تاکہ وہ اپنے طرزِ عمل کو درست کرنا چاہیں تو کرلیں، اس اعلان کے سنانے کیلئے ہر علاقے میں قاصد بھیجے گئے، اعلان کا مضمون یہ تھا،

"خلیفۂ رسول ابوبکر کا اعلان ہر خاص و عام کے نام، خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا اس سے پھر گیا ہو۔"

"جو شخص ہدایت کا پیرو ہو اور اسلام کو چھوڑ کر گمراہی اور نفسانی خواہش کی طرف لوٹ نہ گیا ہو اس پر سلام ہو، میں اس خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور جو واحد اور لاشریک لہٗ ہے، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور اس کے دین پر ایمان رکھتا ہوں جسے وہ لیکر آئے تھے، اور اس کا اقرار کرتا ہوں اور جو شخص اس دین کو نہ مانے اس کو کافر اور اس سے جہاد کرنا فرض سمجھتا ہوں۔"

آگے چل کر فرمان میں درج تھا کہ میں فلاں شخص کو افسر بنا کر اس کی ماتحتی

میں مہاجرین اور انصار اور دوسرے لوگوں کو بھیج رہا ہوں، میں نے ان کو ہدایت کردی ہے کہ وہ پہلے نہ کسی سے لڑیں اور نہ کسی کو قتل کریں، پہلے خدا کے دین کی طرف بلائیں، پھر جو شخص ان کی بات مان لے اسلام کا اقرار کرکے بے دینی سے باز آجائے اور اپنے طریقے کو درست کرلے اس کا اسلام قبول کرلیا جائے، اور دین کے حکم کے مطابق اس کی مدد کی جائے اور جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں ان کے متعلق میں نے افسروں کو حکم دے دیا ہے کہ وہ ان سے جنگ کریں، اس لئے جو شخص دین کی پیروی کرے اس کیلئے بھلائی ہے، جو شخص انکار کرے وہ خدا کو عاجز نہیں کرسکتا، میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے اعلان کو تمہارے مجمع میں پڑھ کر سنائے اور اذان کے ذریعہ تمہیں اسلام کی دعوت دی جائے، اذان کے جواب میں جو لوگ اذان کہیں ان سے ہاتھ روک لیا جائے اور اگر وہ اذان نہ دیں تو ان سے اس کی وجہ پوچھی جائے اور جو لوگ انکار میں جواب دیں ان سے جنگ کرنے میں دیر نہ کی جائے لیکن اس کے بعد بھی وہ اسلام کا اقرار کرلیں تو ان کا اسلام قبول کرلیا جائے، اور تمام لوگوں کے ساتھ ان کی حالت کے مطابق برتاؤ کیا جائے۔ (ابنِ خلدون)

حضرت ابوبکر کے دونوں فرمانوں سے ظاہر ہے کہ اسلام کے بقاء تحفظ کے ساتھ آپ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ جنگ اور خونریزی نہ ہو، چنانچہ جنگ سے پہلے اور جنگ کے درمیان میں آپ نے بار بار مرتدین کو یہ موقع دیا کہ وہ اسلام میں واپس آجائیں،

اسلامی افسر مجاہدین کو لے کر اپنے اپنے متعینہ علاقوں کی طرف روانہ ہوگئے،

طلیحہ اسدی سے جنگ

حضرت خالد بن ولیدؓ طلیحہ اسدی کے مقابلے پر مامور تھے، اس وقت طلیحہ اسدی مقام بزاخہ میں قیام پذیر تھا، حضرت خالدؓ جنگ کیلئے روانہ ہونے لگے تو حضرت ابوبکرؓ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ تم قبیلہ بنو طے سے اپنی مہم کی ابتدا کرنا۔ قبیلہ طے کا ایک مقام اجا تھا، حضرت خالدؓ نے اسی کا رخ کیا حضرت عدی بن حاتمؓ جو اس قبیلے کے سردار تھے وہ اسلام لاچکے تھے، اور نہایت صادق الایمان مسلمان تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے قبیلے میں جاکر لوگوں کو سمجھائیں کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ طلیحہ کا ساتھ چھوڑ کر اسلام قبول کرلیں، حضرت عدی کے سمجھانے پر پہلے تو ان کے اہل قبیلہ نے ان کا مذاق اڑایا لیکن بالآخر مرعوب ہوگئے، اور کہا۔ قبیلہ کے بہت سے لوگ طلیحہ کے پاس ہیں، ہم نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ان کو قتل کردے گا، تم اسلامی فوج کو حملہ کرنے سے روکو۔ ہم کسی تدبیر سے اپنے آدمی بلالیں تو سب اسلام قبول کرلیں گے، چنانچہ یہی ہوا، قبیلہ طے اسلام قبول کرکے دوبارہ اسلام میں داخل ہوگئے، اس طرح حضرت خالد بن ولیدؓ کی فوج میں ایک ہزار بہادروں کا اضافہ ہوگیا۔

بنو طے ہی کی طرح ایک قبیلہ بنو جدیلہ تھا، حضرت خالدؓ نے اسکی طرف بڑھنا چاہا تو حضرت عدیؓ نے ان کو روکا، کہا بنو طے اور بنو جدیلہ کو ایک پرندے کے دو بازو سمجھیے ایک بازو تو آپ کے ہاتھ آگیا، اب مجھے دوسرے بازو کیلئے بھی کوشش کرلینے دیجئے، چنانچہ حضرت عدیؓ بنو جدیلہ کے پاس گئے اور حضرت عدیؓ

ہی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، اس طرح حضرت خالدؓ کی فوج میں مزید ایک ہزار کا اضافہ ہو گیا،

اس علاقے میں اسلام کا قدم مضبوط کرنے کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ بزاخہ کی طرف بڑھے جہاں طلیحہ اسدی فوج لئے پڑا تھا، اس کا دست راست عُیَینہ فزاری تھا، اس کے قبیلہ کے سات سو آدمی اس کی رکاب میں تھے؛ عُیَینہ کو اپنی فوج پر بڑا ناز تھا، لیکن مجاہدین اسلام سے مقابلہ ہوتے ہی اس کی فوج کے حوصلے پست ہو گئے، اس وقت طلیحہ چادر میں لپٹا ہوا اپنے خیمے میں پڑا تھا، عُیَینہ دو بار دوڑ دوڑ کر اس کے پاس گیا، پوچھا۔ کوئی وحی آئی ہے؟ اس نے دونوں بار نفی میں جواب دیا۔ تیسری مرتبہ عینیہ کے سوال کرنے پر جواب دیا، ـــ ہاں! وحی آئی ہے ـ "ان لک رحا کرحاً و حدیثا لا تنساہ"

عینیہ غصے سے بیتاب ہو گیا، بولا ـ خدا شاہد ہے تجھے ایسا ہی چرکا لگے گا جسے تو زندگی بھر نہ بھولے گا، یہ کہہ کر طلیحہ کے خیمے سے باہر نکلا، اور بنو فزارہ کے پاس جا کر اعلان کر دیا کہ طلیحہ جھوٹا ہے، تم سب جنگ سے علیحدہ ہو جاؤ

بنو فزارہ کے علیحدہ ہوتے ہی طلیحہ کو شکست ہو گئی، اس نے دو سواریاں پہلے سے تیار کر رکھی تھیں، وہ اپنی بیوی کو ساتھ لیکر خود بھی بھاگ گیا اور اعلان کرتا گیا کہ بنو فزارہ! تم میں سے جو شخص بھی اپنی بیوی کو لے کر بھاگ سکتا ہو بھاگ جائے۔

طلیحہ یہاں سے بھاگ کر شام چلا گیا اور پھر بنو کلب میں آکر مسلمان ہو گیا۔ وہ ایک بار عمرہ کرنے مکہ معظمہ جا رہا تھا، مدینہ منورہ کے پاس سے

گذرا تو کسی نے حضرت صدیق اکبر کو اطلاع دی، آپ نے فرمایا، وہ مسلمان ہو چکا ہے اب اس کے ساتھ کیسے تعرض کیا جا سکتا ہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں طلیحہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے دو صحابی حضرت عکاشہ رض اور حضرت ثابت بن اقرم رض کو شہید کر دیا تھا، اس لئے حضرت عمر رض نے فرمایا۔ میں تیرا منہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا بڑا ذہین۔ بولا۔ امیر المومنین! اسلام اپنے سے پہلے کے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے، اس کے علاوہ آپ کو ان دو آدمیوں کی فکر بھی کیوں ہو، اللہ نے ان کو میرے ذریعہ مرتبۂ شہادت سے نوازا اور مجھ کو ان کے ہاتھوں سے ذلیل ہونے سے بچا لیا۔

حضرت عمر رض نے اس کی بیعت قبول فرمالی، یہ ہے اسلام کا اخلاق جو ایسے دشمن کو بھی معاف کر دیتا ہے،

طلیحہ کی شکست کے نتائج

طلیحہ اسدی کی شکست کے بعد قبیلۂ بنو اسد، قیس، بنو فزارہ جو طلیحہ کے ساتھی تھے مسلمان ہو گئے، بنو عامر دونوں فریق سے الگ حالات کا مطالعہ کر رہے تھے، بنو طے جدیلہ اور ان قبائل کے مسلمان ہو جانے کے بعد بنو عامر بھی راہ راست پر آ گئے، حضرت خالد بن ولید رض کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور اقرار کیا کہ ہم نماز بھی پڑھیں گے، اور زکوٰۃ بھی دیں گے،

مرتدین کے بڑے بڑے سردار گرفتار ہوئے اور مدینہ بھیجے گئے، عیینہ بن حصن فزاری طلیحہ کا قوتِ بازو تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور خلیفۂ رسول نے اسے رہا کر دیا، قرہ بن ہبیرہ بنو عامر کا سردار تھا، وہ بھی امیروں میں تھا

اس نے ارتداد سے انکار کیا۔ کہا میری قوم زکوٰۃ کو اپنے اوپر تاوان سمجھتی تھی، اس لئے اپنا استثنا، چاہتی تھی، حضرت صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا۔ تیرے بیان پر کوئی گواہ بھی ہے؟ اس نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پیش کیا، اور اسکو بھی رہائی مل گئی۔

سجاح بنتِ حارث

قبیلہ بنو تمیم بڑا معزز قبیلہ تھا، اور مدینہ منورہ کے مشرق میں دریائے فرات تک پھیلا ہوا تھا، اس قبیلے میں بھی ارتداد کا فتنہ پھیل گیا تھا اسی قبیلے سے متعلق قبیلہ بنو یربوع بھی تھا، اس کا سردار مالک بن نویرہ بھی مدینہ زکواۃ بھیجنے کا مخالف تھا، سجاح بنت حارث جو نبوت کی دعویٰ دار تھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھی، بنو تغلب جو عیسائی ہو گئے تھے سجاح کے رشتہ دار تھے، ان کے تعلق سے سجاح نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح سجاح بھی اسلام کی سخت دشمن تھی، یہ بڑی ہی عالی دماغ اور حوصلہ مند تھی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو یہ جزیرہ واقع عراق میں تھی، اس نے ایک عظیم لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف کوچ کیا، بنو تمیم میں اطلاع پہونچی تو مالک بن نویرہ بھی اس کے ساتھ ہو گیا، بنو تمیم کے بہت سے لوگ سجاح کی نبوت کے منکر تھے، مالک بن نویرہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ پر حملہ کرنے سے پہلے بنو تمیم کے منکرین کی سرکوبی ضروری ہے سجاح نے مالک کا مشورہ قبول کر لیا، کافی کشت وخون کے بعد صلح ہو گئی، اس کے بعد سجاح نے مدینہ کی طرف بڑھنا چاہا تو مالک بن نویرہ اور بنو تمیم

کی شاخ بنو حنظلہ کے سردار وکیع نے کہا۔ ہم تو اپنے اپنے قبیلہ سے عہد کر چکے ہیں کہ ان قبیلوں سے فوج نہ گذرے گی، سجاح نے حکم دیا کہ یمامہ پر حملہ کیا جائے گا، یہ مسیلمہ کذّاب کا علاقہ تھا جو خود بھی مدعی نبوت تھا، مسیلمہ میں سجاح کے لشکرِ جرار سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اس نے ہدیہ کے ساتھ سجاح کے پاس درخواست بھیجی کہ وہ اس سے ملنا چاہتا ہے، سجاح نے یہ درخواست منظور کی، مسیلمہ اپنے قبیلہ بنو حنیفہ کے چالیس آدمیوں کو ساتھ لے کر سجاح کے پاس گیا، دونوں میں تنہائی میں ملاقات ہوئی، دونوں نبوت کے مدعی تھے، سجاح نے کہا۔ تم پر جو وحی اتری ہے اس میں سے کچھ سناؤ، مسیلمہ نے اس انداز کے کلمات سنائے کہ سجاح کا جنسی جذبہ برانگیختہ ہوگیا، اس نے کہا۔ کچھ اور سناؤ، مسیلمہ نے مزید ویسے ہی کلمات سنائے، نتیجہ یہ ہوا کہ اسی صحبت میں دونوں میاں بیوی بن گئے، اور آپس میں طے پایا کہ یمامہ کی آمدنی کا نصف حصہ سجاح کا حق ہوگا، سجاح تین روز تک مسیلمہ کے پاس رہ کر جزیرہ واپس چلی گئی، اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں مسلمان ہوگئی،

مسیلمہ سے جنگ

اسلام کا سب سے بڑا حریف اور دشمن مسیلمہ ثابت ہوا، اس کے علم کے نیچے چالیس ہزار بہادرانِ عرب جمع ہوگئے تھے، اس کے مقابلے پر حضرت عکرمہ بن ابی جہل مامور تھے، اور ان کی مدد پر شرجیل بن حسنہؓ، حضرت عکرمہؓ نے جوشِ جہاد میں حضرت شرجیلؓ کا انتظار کئے بغیر حملہ کر دیا اور شکست کھائی حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع ہوئی تو ان کو بہت صدمہ ہوا، حضرت عکرمہؓ کو عمان اور

مہرہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اور حضرت خالد بن ولید کو مسیلمہ کے مقابلے پر بھیجا، حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ کے مقابلے پر بھیجا۔ حضرت خالد کی فوج میں وہ جلیل القدر مہاجرین و انصار تھے، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ علم بدر و حنین میں داد جہاد دے چکے تھے، ان میں ایک بڑی جماعت قرآن مجید کے حافظوں اور قاریوں کی بھی تھی، حضرت شرجیل بن حسنہؓ پہلے سے حضرت خالدؓ کی مدد پر مقرر تھے، پچھلے تلخ تجربہ کی بنیاد پر حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت سلیط کی ماتحتی میں ایک دستہ بھیجا جس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن پیچھے سے حضرت خالد پر حملہ نہ کر دے،

مسیلمہ چالیس ہزار اور ایک بیان کے مطابق ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقام عقربا میں ڈٹا ہوا تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ چھوٹے چھوٹے سر کرتے ہوئے مسیلمہ کے بالمقابل پہونچ گئے،

حضرت خالدؓ نے فوج کی صف بندی کی، فوج کے دائیں بازو پر حضرت عمر فاروقؓ کے بھائی حضرت زیدؓ کو اور بائیں بازو پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو افسر مقرر کیا اور قلبِ فوج خود آپ کے ماتحت تھا،

دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، تو مسیلمہ کے بیٹے شرجیل نے اپنے قبیلہ بنو حنیفہ کو مخاطب کر کے کہا "آج غیرت کا دن ہے۔ اگر تم نے شکست کھائی تو تمہاری عورتیں لونڈیاں بنائی جائیں گی، اور مسلمان بغیر نکاح ان سے فائدہ اٹھائیں گے، اس لئے اپنے حسب و نسب اور عزت و شرافت کو بچاؤ"!

مجاہدینِ اسلام کا علم حضرت حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ

کے ہاتھ میں تھا، بڑے پایہ کے صحابی اور قرآن مجید کے ممتاز حافظ اور قاری تھے حضرت عمر فاروق رضؓ تک ان کا احترام کرتے تھے، ایک شخص نے کہا، تم کام آگئے تو قرآن مجید کا ایک حامل کم ہو جائے گا۔" حضرت سالم کا جواب تھا۔ اگر میں ایسا خیال کروں تو مجھ سے برا حامل قرآن اور کون ہوگا؟

کتنا ایمان افروز جواب تھا! آج کتنے علماء وصلحاء کے اندر یہ جذبۂ اخلاص موجود ہے؟

نہار رجال مسیلمہ کا قوت بازو اور مشہور بہادر تھا، اس نے صف سے نکل کر للکارا۔ "کوئی ہے جو مجھ سے مقابلہ کرے؟"

حضرت عمر فاروق رضؓ کے بھائی حضرت زید رضؓ نے جواب میں ایسا وار کیا کہ نہار رجال ڈھیر ہو کر رہ گیا۔

اس کے بعد اس زور کا رن پڑا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئیں، مسیلمہ کے متبعین کیلئے یہ فیصلہ کن جنگ تھی، وہ سمجھ رہے تھے اگر انہیں شکست ہوئی تو وہ ہمیشہ کی غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے، انھوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، اس سے پہلے اتنی عظیم الشان فوج سے مسلمانوں کو لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا،

دشمن کے حوصلے بڑھ گئے تھے، ایک دستے نے حضرت خالد بن ولید کے خیمے پر حملہ کر دیا جس میں ان کی بیوی ام تمیم موجود تھیں، بنو حنیفہ کا ایک معزز ترین سردار مجاعہ بن مرارہ گرفتار ہو گیا تھا، وہ حضرت ام تمیم رضؓ کے زیر نگرانی تھا، اس نازک موقع پر ام تمیم کا محافظ ثابت ہوا، اس نے حملہ آوروں کو روک دیا ورنہ ام تمیم قتل ہو چکی تھیں، حملہ آوروں نے خیمہ کی دھجیاں اڑا دیں

اس پسپائی سے مسلمانوں کی غیرت ایمانی تڑپ اٹھی، حضرت ثابت بن قیس رضؓ نے کہا۔ "آہ! مسلمانو! آخر تم کو کیا ہو گیا ہے؟ خدایا! میں مسلمانوں کی پسپائی سے بری ہوں"۔

حضرت زید بن خطاب رضؓ نے کہا ــــ "خدا کی قسم! میں زبان نہیں کھولوں گا، یہاں تک کہ دشمنوں کو شکست دے دوں، یا پھر خود کام آ جاؤں"۔

حضرت ابو حذیفہ رضؓ کا نعرہ تھا۔ "اے قرآن والو! اپنے عملوں سے قرآن کو زینت دو"

خود حضرت خالد بن ولید رضؓ نے آگے بڑھ کر اس شدت کا حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، ایک گھمسان کی جنگ کے بعد حضرت خالد رضؓ نے فوج کا جائزہ لیا تو حضرت عمر فاروق رضؓ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضؓ، حضرت حذیفہ رضؓ اور حضرت سالم رضؓ شہید ہو چکے تھے،

مسیلمہ اپنے جاں باز بہادروں کے حلقے میں کھڑا تھا، حضرت خالد رضؓ نے سوچا کہ جب تک خاص مسیلمہ کے دستے کو شکست نہ دی جائے گی جنگ کا فیصلہ نہ ہوگا۔ اس لئے وہ "یَا مُحَمَّدَاہُ!" کے نعرے کے ساتھ مسیلمہ کے دستے پر ٹوٹ پڑے، مسیلمہ کے فدائی ایک ایک کر کے سامنے آتے اور مارے جاتے، مسیلمہ خود حوصلہ کر کے آگے بڑھتا مگر اسکے قدم خود بخود پیچھے ہٹ جاتے

حضرت خالد رضؓ نے ایکبار اس زور کا حملہ کیا کہ مسیلمہ کے قدم اکھڑ گئے، اس کے متبعین نے اسے بھاگتے دیکھا تو للکارا "وہ فتح و نصرت کہاں ہے جس کا تو ہم سے وعدہ کیا کرتا تھا؟"

لیکن مسیلمہ خود تو بھاگتا جاتا تھا اور لوگوں سے کہتا جاتا تھا کہ "اپنے عزت و ناموس کی حفاظت کرو"۔

جب مسیلمہ کے قدم اکھڑ گئے تو فوج کیا ثابت قدم رہتی ؟ مسیلمہ اپنے کو "رحمٰن الیمامہ" کہتا تھا، اسی نام سے اس نے اپنے باغ کا نام "حدیقۃ الرحمٰن" رکھا تھا مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں نے اسی باغ میں پناہ لی مجاہدین اسلام نے باغ کا محاصرہ کرلیا، یہ باغ کیا تھا ایک قلعہ تھا، حضرت براء بن مالکؓ نے مسلمانوں سے کہا کہ مجھے اٹھاکر باغ میں ڈال دو۔! مسلمانوں نے انکار کیا تو انھوں نے اپنے اصرار سے مسلمانوں کو مجبور کردیا مسلمانوں نے ان کو اٹھاکر دیوار پر پہونچا دیا، وہ اندر کود گئے، اور لڑتے بھڑتے باغ کے پھاٹک پر پہونچ کر دروازہ کھول دیا، دست بدست جنگ ہوئی، کشتوں کے پشتے لگ گئے، مجاہدین بھی کام آئے حضرت حمزہؓ رضی اللہ عنہ کے قاتل اور حضرت مطعم بن جبیرؓ کے غلام وحشی کے ہاتھ جو مسلمان ہوچکا تھا، مسیلمہ بھی مارا گیا،

حضرت خالدؓ نے مجاعہ کو ساتھ لے کر بنو حنیفہ کی لاشوں کا معاینہ شروع کیا وہ مسیلمہ کو دیکھنا چاہتے تھے، ایک طرف اسکی لاش پڑی ہوئی تھی، مجاعہ نے بتایا کہ یہ مسیلمہ ہے۔ زمانے کی نیرنگی دیکھیے، یہی باغ جس کا نام مسیلمہ نے "حدیقۃ الرحمٰن" رکھا تھا، تاریخوں میں حدیقۃ الموت کے نام سے مشہور ہوگیا، کیونکہ اس جنگ میں جو باغ کے اندر اور باہر ہوئی دس ہزار مرتد اور باغی مارے گئے اور بارہ سو مجاہدین شہید ہوئے،

اسلام کی رواداری وعہد پسندی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو مشورہ دیا کہ دوسرے قلعوں میں مسیلمہ کے ساتھی موجود ہیں ان پر بھی حملہ کر دیا جائے

حضرت خالدؓ مجاعہ پر اب اعتماد کرنے لگے تھے اور بنو حنیفہ اس کے اہلِ قبیلہ تھے، اس نے اپنے اہلِ قبیلہ کو بچانے کیلئے ایک چال چلی، حضرت خالدؓ سے کہا کہ جو لوگ مسیلمہ کے ساتھ تھے وہ تو پرجوش اور جلد باز قسم کے لوگ تھے، اصل فوج تو قلعوں میں محفوظ ہے، یہ کہنے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت خالد رعایت کے ساتھ بنو حنیفہ سے مصالحت کر لیں، اس نے حضرت خالد سے تو یہ کہا اور ادھر عورتوں سے جو قلعوں میں تھیں کہلا بھیجا کہ مردانہ لباس میں ہتھیار لگا کر فصیلوں پر کھڑی ہو جائیں، حضرت خالد نہیں چاہتے تھے کہ مزید خونریزی ہو اس لئے آپ نے صلح کر لی، لبعد میں جب حقیقت معلوم ہوئی اور آپ نے مجاعہ سے جواب طلب کیا تو اس نے کہا کہ میرے قبیلے کا مجھ پر حق تھا کہ اس کو بچانے کیلئے میں کوشش کروں، حضرت خالدؓ نے اس کی معذرت قبول کرتے ہوئے بنو حنیفہ کو اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا، اسلام کی رواداری دیکھئے کہ بنو حنیفہ کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہ سب کچھ واپس کر دیا گیا جو صلح کے ذریعہ ان سے لیا گیا تھا، یہ اس عہد کی پابندی تھی جو حضرت صدیق اکبرؓ کے اعلان میں کیا گیا تھا، اسلام کے سوا پابندیٔ عہد کی یہ مثال ایسے دشمنوں کے ساتھ آپ کو کہیں اور نہ ملے گی،

یہی وہ سب سے بڑی جنگ تھی، جس نے جزیرۂ عرب کو فتنہ و فساد سے پاک کر دیا، اور اسلام کے قدم ہمیشہ کیلئے مضبوط ہو گئے، اسلامی فوج فتح و ظفر کے پرچم اڑاتی ہوئی مدینہ منورہ میں داخل ہوئی تو سارا شہر حمد و صلوٰۃ کے نغموں اور خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا، اس جنگ میں جو بارہ

سو مجاہدین شریک ہوئے تھے ان میں سات سو حافظ اور قاری بھی تھے، ان کی جانیں بڑی قیمتی تھیں، لیکن خدا نے جو فتح و نصرت عطا فرمائی تھی اس کے شکریہ میں مسلمان اس غم کو بھول گئے،

بحرین کی فتح

یہ صوبہ مدینہ سے بہت دور شمال و مغرب میں خلیج فارس کے کنارے پر واقع تھا، اس صوبے میں بنو عبد القیس، بنو بکر اور بنو تمیم آباد تھے، یہ صوبہ ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا، اس صوبہ کے دو حاکم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر مسلمان ہو گئے تھے، مگر اب ان کا انتقال ہو چکا تھا، عرب میں بغاوت اور ارتداد کا فتنہ اٹھا تو بنو عبد القیس اور بنو بکر کے قبیلے بھی مرتد ہو گئے، بنو عبد القیس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت جارود بشر رض تھے ان کی دعوت پر ان کا قبیلہ تو پھر سے مسلمان ہو گیا، لیکن بنو بکر ارتداد پر جمے رہے، اور انھوں نے منذر بن نعمان کو اپنا سردار بنا لیا، اس کے علاوہ ایک شخص حطم بن ضبیعہ تھا، اس نے بنو بکر اور بحرین کے عجمی غیر مسلموں کو لے کر حضرت جارود کا محاصرہ کر لیا، محصور مسلمانوں پر آب و دانہ بند تھا، پھر بھی یہ اسلام پر جمے رہے، اسی حالت میں حضرت علاء حضرمی اسلامی فوج لئے ہوئے پہونچ گئے، بنو حنیفہ کے مسلمان بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے، ان کے پیچھے ثمامہ بن آثال اور قیس بن عاصم منقری بھی اپنی فوجیں لئے ہوئے پہنچے،

حضرت علاء بن حضرمی رض نے رات کو ایک صحرا میں قیام کیا، رات کے اندھیرے میں وہ اونٹ بھاگ گئے جن پر سامانِ رسد لدا ہوا تھا، اب مسلمان پانی تک کے محتاج تھے، ان کو یقین ہو گیا کہ اب اسی صحرا میں مرنا ہے یہاں تک کہ ایک

دوسرے کو وصیت کرنے لگے، حضرت علاءؓ نے ان کی ہمت بندھائی۔ کہا کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اور کیا تم اللہ کے انصار اور اس کی راہ کے مجاہد نہیں ہو؟ تم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ اللہ تمہیں ہرگز ذلیل ورسوانہ کرے گا،

اس اعتماد علی اللہ کا کرشمہ دیکھیئے، رات کے بعد جو صبح طلوع ہوئی وہ بشارت وشادمانی کی صبح تھی، قریب ہی پانی چمکتا ہوا نظر آیا، مسلمانوں نے پانی پیا غسل کیا۔ اور اپنے مشکیزے بھر لیئے، ان کے بھاگے ہوئے اونٹ بھی واپس آگئے مسلمانوں کی ساری کلفتیں دور ہوگئیں،

حضرت علاءؓ اپنا لشکر لئے ہوئے حطم بن ضبیعہ کے مقابلے میں پہنچ گئے، حطم کی جمعیت بھی کم نہ تھی، دونوں طرف خندقیں کھودی گئیں، دن کو دونوں فوجیں خندقوں سے نکل کر جنگ کرتیں، شام کو خندقوں میں واپس چلی جاتیں، اسی حالت میں ایک مہینہ گذر گیا، ایک شب حطم کی خندق میں سے شور وغل کی صدا بلند ہوئی، دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ سب شراب کے نشے میں بہک رہے ہیں، حضرت علاءؓ نے اسی حالت میں حملہ کر دیا، کچھ بدحواسی میں بھاگے، کچھ مارے گئے، کچھ اسیر ہوئے، حطم بھی مقتولین میں تھا

خلیج فارس کا ایک جزیرہ دارین تھا جس کے اکثر باشندے عیسائی تھے، یہ جزیرہ بحرین کے سامنے ہی تھا، حطم کے جو ساتھی بھاگ کر دارین جا سکے وہاں چلے گئے، مسلمانوں نے ان کا پیچھا کرنا چاہا تو ساحل پر کشتیاں نہ تھیں، حضرت علاءؓ نے جن کا سینہ خدا کی نصرت حمایت کے یقین سے معمور تھا، مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا "مسلمانو! غم نہ کرو، جس خدا نے صحرا میں تمہاری مدد فرمائی وہ سمندر میں بھی تمہاری مدد کرے گا۔"

اس کے بعد سب نے مل کر خدا سے دعا کی ، اب ان کے دل خدا کی نصرت کے اعتماد و یقین سے اس قدر لبریز تھے کہ جس کی سواری میں گھوڑی انھوں نے گھوڑے، جس کی سواری میں اونٹ تھے انھوں نے اونٹ اور جس کی سواری میں خچر تھے انھوں نے خچر سمندر میں ڈال دئے، سیدالانبیا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے گویا سمندر اسی طرح پایاب ہو گیا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بنی اسرائیل کیلئے، پورا اسلامی لشکر دو کر ساحل پر اتر گیا،

مرتدین و مفسدین کیلئے بھاگنے کی راہ نہ تھی، بڑی بے جگری سے لڑے، لیکن فتح و کامرانی مجاہدین حق ہی کے حصے میں آئی، اتنا مال غنیمت بھی کسی جنگ میں مجاہدین کے ہاتھ نہیں آیا تھا، حضرت علاءؓ اسی روز بحرین واپس آئے، اور دربار خلافت کو مفصل نامۂ فتح لکھا۔

بحرین کی جنگ اس اعتبار سے بڑی اہم تھی کہ یہ صوبہ ایرانی حکومت کے ماتحت تھا، یہاں یہودی، عیسائی، آتش پرست اور بت پرست تمام مذاہب کے پیرو موجود تھے جن میں ہندوستانی تاجر بھی تھے، اس جنگ نے ان تمام مذاہب پر اسلام کا رعب قائم کر دیا، اور اسی کے ساتھ ان کارروائیوں کا بھی خاتمہ ہو گیا جو اسلامی حکومت کے خلاف ایرانیوں کی طرف سے ہوتی رہتی تھیں، یہ فتح آگے چل کر فتح عراق کی تمہید ثابت ہوئی،

عمان و مہرہ کی فتح عمان بحرین کے قریب ہی بحر ہند کے کنارے واقع ہے، حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر یہاں کے سردار اور حاکم جیفر اور عبید جو آپس میں بھائی تھے مسلمان ہو گئے تھے، ارتداد و بغاوت

کا فتنہ اٹھا تو یہاں بھی ایک شخص جس کا نام لقیط بن مالک ذوالتاج تھا نبوت کا مدعی بن کر کھڑا ہوگیا، اور اہلِ عمان کو اپنے گرد جمع کر لیا، جیفر اور عبداللہ بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، حضرت صدیق اکبرؓ نے حذیفہ بن محصن اور عرفجہ بن ہرثمہ کو عمان اور مہرہ پر بھیجا تھا، اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل کو ان کی امداد پر مامور فرمایا تھا، یہ متحدہ اسلامی لشکر عمان کے قریب پہنچا تو جیفر اور عبید بھی اس سے آملے، اس وقت لقیط اپنی فوج کے ساتھ مقام دبا میں پڑا تھا، اسلامی لشکر نے لقیط پر حملہ کیا، لیکن اس کی طاقت مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی، جس کا اندازہ کر کے مسلمانوں میں تشویش پھیل گئی لیکن اللہ نے تو فرشتوں کی جمعیت بھیج کر بھی مسلمانوں کی ہمت بندھائی ہے ہیں وقت پر قبائل کے سردار اپنی فوجوں کے ساتھ پہونچ گئے، مجاہدین کے ایک ہی حملے میں دشمن کو شکست ہوگئی، دس ہزار آدمی مارے گئے اور بہت بڑا مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا،

حضرت حذیفہؓ نے حضرت عرفجہ بن ہرثمہؓ کو مالِ غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا، خود انتظام کیلئے وہیں ٹھہر گئے، اور حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ مہرہ کی طرف روانہ ہوئے، مہرہ والے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ایک کا سردار سخریت تھا، اور دوسرے کا مُصبح۔ سخریت کا گروہ کمزور تھا، حضرت عکرمہؓ نے اسے ہم نوا بنانے کے لئے بات چیت کی اور وہ مسلمان ہوگیا، لیکن مُصبح کو اپنی جمعیت کا غرہ تھا، اس نے حضرت عکرمہؓ کی دعوت کو رد کر دیا، جنگ ہوئی، مصبح اپنے بڑے گروہ کے ساتھ مارا گیا، باقی مسلمان ہو گئے،

یمن کی فتح

اسود عنسی جس نے سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا تھا یمن ہی میں ارتداد کا علم بلند کیا تھا، اس کے مارے جانے کے بعد اس کے سرداروں نے یمن بھر میں طوائف الملوکی برپا کر رکھی تھی، بہت سے نام نہاد مسلمان مرتد ہو کر لوٹ مار کرنے کیلئے ان کے ساتھ ہو گئے تھے، عمرو بن معدیکرب اور قیس بن عبد یغوث نامور بہادر اور شہ سوار تھے، انھوں نے بھی مرتد ہو کر بہت بڑی جمعیت قائم کر لی تھی،

یمن میں اب بھی بڑے بڑے با اثر افراد اور قبیلے اسلام پر قائم تھے حضرت ابوبکرؓ نے فیروز دیلمی کو جس نے اسود عنسی کو قتل کیا تھا، یمن میں اسلامی حکومت کا نائب مقرر کر دیا تھا، اور مسلمانانِ یمن کو ان کی مدد کی ہدایت فرما دی تھی، وہ صنعاء سے باہر قیس بن عبد یغوث سے جنگ کر رہے تھے، کہ مہاجر بن امیہؓ اور ان کے بعد ہی حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ بھی پہونچ گئے جنگ شروع ہوئی، قیس بن عبد یغوث گرفتار ہوا، عمرو بن معدیکرب نے خود اپنے کو اسلامی فوج کے حوالے کر دیا، حضرت مہاجر بن امیہؓ نے دونوں کو دربارِ خلافت میں بھیجدیا، حضرت صدیق اکبرؓ کی تلقین پر دونوں مسلمان ہو گئے، اور عراق و شام کے جہاد میں پرچم حق کو بلند کرنے میں نمایاں حصہ لیا،

ایک طرف تو اسلامی حکومت کی فراخدلی اور اصول پسندی کو دیکھئے کہ اسلام اور مسلمانوں کا کیسا ہی دشمن ہو اور خواہ اس نے اسلامی حکومت اور مسلمانوں کو کتنا ہی نقصان پہونچایا ہو وہ جیسے ہی اسلام قبول کرتا ہے اسکی طویل سے طویل قرار داد جرم بھی از خود چاک ہو جاتی ہے پھر اسطرح جو بھی اسلام کے زیر علم آتا ہے اسلام کا علمبردار بن جاتا ہے، اس جنگ نے تمام فتنہ و فساد کا خاتمہ کر دیا،

کُندہ اُور حضرموت کی فتح

کندہ اور حضرموت یمن کے قریب ہی واقع ہیں، عہدِ نبوی سے یہاں کے حاکم حضرت زیاد بن لبید انصاری رضؓ تھے، وہ زکوٰۃ بھی وصول کرتے تھے، اور اسلام کے داعی و معلم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان دونوں علاقوں میں بھی ارتداد و بغاوت کا فتنہ عام ہو گیا تھا، اشعث بن قیس یہاں کا معزز و ممتاز سردار تھا، اس نے سنہ ۱۰ھ میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا، لیکن اب وہی ارتداد و بغاوت کا علمبردار تھا،

حضرت مہاجر بن امیہ رضؓ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضؓ اپنی فوجیں لئے ہوئے یمن سے یہاں پہونچے، اس وقت اشعث بن قیس محجر الذیرقان میں مقیم تھا حضرت مہاجر رضؓ نے حضرت عکرمہ رضؓ کو پیچھے چھوڑا، اور حضرت زیاد بن لبید انصاری کو لے کر محجر الذیرقان میں پہونچے، ایک معرکہ کے بعد اشعث بن قیس قلعہ النجیر میں پناہ گزیں ہوا، اسلامی فوج نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا، اشعث محاصرہ کی تنگی سے گھبرا گیا تو ناچار مقابلے کیلئے باہر نکلا، ابھی جنگ کا فیصلہ نہ ہوا تھا کہ حضرت عکرمہ رضؓ بھی اپنی فوج لئے ہوئے پہونچ گئے، اشعث نے ان کے توسط سے امان کی درخواست کی، یہ درخواست نو آدمیوں کیلئے تھی، درخواست منظور کر لی گئی، لیکن اشعث نے امان طلبوں کی فہرست دی تو اس میں اپنا ہی نام لکھنا بھول گیا، اس بنا پر اسے گرفتار کر کے دربارِ خلافت میں بھیج دیا گیا، اس نے دوبارہ مسلمان ہونے اور اسلام پر ثابت قدم رہنے کا اقرار کیا، اور خلیفہ رسول رضؓ نے اسے معاف فرما دیا۔ ایک دریائے رحمت تھا جس نے اظہارِ تشنگی کیا وہ سیراب کر دیا گیا، رضی اللہ عنہ!

اور دریا دلی ملاحظہ ہو، اشعث عہدِ نبوی میں مسلمان ہوئے تھے، تو اس وقت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بہن ام فروہؓ سے نکاح کرنے کی درخواست کی تھی جو نامنظور کر دی گئی تھی، اب پھر انھوں نے اس درخواست کا اعادہ کیا جو منظور کر لی گئی، اب اشعث مدینہ ہی میں مقیم ہو گئے، اور جہادِ عراق میں ان سے نمایاں کارنامے ظہور میں آئے۔

یہ جنگ سلسلۂ ارتداد و بغاوت کی آخری کڑی تھی، ان جنگوں میں گرفتار ہو کر جتنے مرد و عورت غلام اور لونڈی بن کر آئے خلافت فاروقی میں وہ سب آزاد کر دئے گئے، حضرت فاروقِ اعظمؓ کا ارشاد تھا کہ عرب کیلئے یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ وہ کسی کے غلام ہوں، آپ غلامی کے اتنے مخالف تھے کہ عہدِ جاہلیت کے لونڈی غلاموں کو بھی آپ نے آزاد کر دیا۔

(ارتداد و بغاوت کے تمام حالات، ابنِ خلدون سے ماخوذ ہیں اور بعض دوسری کتابیں بھی پیشِ نظر رہی ہیں)

بے مثال صدیقی کارنامہ

آپ نے جس ارتداد و بغاوت کے حالات اوپر پڑھے ہیں ان کا سلسلہ عرب کے شمال میں حدودِ شام اور الجزیرہ تک، جنوب میں ساحلِ بحرِ ہند تک، مشرق میں عراق عرب اور خلیجِ فارس تک، اور مغرب میں ساحلِ بحرِ احمر اور تنگنائے باب المندب تک پھیلا ہوا تھا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی، استقامت اور سیاست و تدبر نے ایسے ہمہ گیر اور قیامت خیز فتنہ و فساد کو ایک سال کی قلیل مدت میں قصہ پارینہ بنا دیا، اور اب آگے آپ دیکھیں گے کہ حضرت صدیق اکبرؓ

دم لئے بغیر ایران اور روم کے مقابلے پر مجاہدین کا لشکر روانہ کر رہے ہیں، جو دنیا کی دو چوٹی کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں، یہ خلیفہ اول کی اس عظمت کا ثبوت ہے جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی،

یہ فتنہ ارتداد و بغاوت بظاہر اسلامی حکومت کیلئے بڑا ابتلا، تھا لیکن اسی ابتلاء کی آگ میں تپ کر اسلامی حکومت کھرا سونا بن گئی، اگر ایسا نہ ہوتا تو اسلامی فوجوں نے ایران و روم سے جو کامیاب جہاد کیا، اور جو شاندار فتوحات حاصل کیں وہ ممکن نہ ہوتیں، اندرون ملک جو مفسد اور فتنہ پرداز عناصر تھے رہ رہ کر سر اٹھاتے رہتے اور اسلامی حکومت کو پریشان کرتے رہتے، اسلامی حکومت کو یہ آزمائش شروع ہی میں پیش آگئی، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ پورا عرب اندرونی فتنہ و فساد سے پاک ہو گیا،

یہاں ایک نکتہ اور سمجھ لینے کے لائق ہے، قریش مکہ اور دوسرے مشرکین عرب فتح مکہ تک حضرت نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے رہے یہود و نصاریٰ بھی مشرکین کے ہم نوا تھے، یہ مشیت ایزدی تھی، کہ دیکھتے دیکھتے اسی عرب میں نبوت کے چار چار مدعی اٹھ کھڑے ہوئے، اور انھوں نے عرب میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ارتداد و بغاوت کی آگ بھڑکا دی لیکن دنیا نے کھلی آنکھوں خدا کے سچے رسول اور جھوٹے نبیوں کا فرق دیکھ لیا، اور دیکھ لیا کہ سچے اور جھوٹوں کے انجام ہی میں نہیں، ان کے اور ان کے پیروؤں کے اخلاق و کردار میں کیا فرق ہوتا ہے؟

یورپ کے بعض متعصب عیسائی علماء و مورخین نے اس جہاد کو جو مجاہدین اسلام نے ارتداد اور بغاوت کو فرو کرنے کیلئے کیا اور اس فتنے کو کچل کر

رکھ دیا، اس کو اس رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل عرب اسلام سے رضامند نہ تھے، ان کو بہ زورِ شمشیر اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا گیا، حق والضاف کے دشمن ان علماء اور دانش وروں سے پوچھئے کہ کیا اسلامی حکومت ان ہوس پرست اور امن دشمن فتنہ پردازوں کو کھلی چھوٹ دیدیتی کہ وہ جھوٹی نبوت کے دعویدار بن کر جاہل اور توہم پرست عربوں کو گمراہ کر کے اسلامی حکومت کو زیروزبر اور ملک کے امن وامان کو غارت کردیں اور ایران اور روم کی سلطنتوں کو موقع دے دیں کہ دونوں طرف سے یلغار کر کے عرب کو پامال کرڈالیں؟ اگر اسلامی حکومت نے ان مفاسد وخطرات کا قلع قمع کردیا تو یہ لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ہوگیا،

جہادِ عراق

خلافتِ صدیقی کے زمانے میں عراق دو حصوں میں تقسیم تھا، ایک عراقِ عرب کہلاتا تھا دوسرا عراقِ عجم، پہلا حصہ عرب سے ملا ہوا تھا، پہلے اس کا پایۂ تخت مدائن تھا، اسلامی عہد میں بغداد دارالسلطنت ہوگیا، کوفہ، بصرہ، اور واسطہ اسی عراقِ عجم میں واقع ہیں، اس کے شمال میں صوبہ جزیرہ ہے، جنوب میں خلیجِ فارس، جنوب مشرق میں خوزستان، مشرق میں عراقِ عجم اور مغرب میں صحرائے شام ہے، عرب کے شمال میں شام قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے قبضے میں تھا، جو مسیحی مذہب کی پیرو تھی، اور مشرق میں ایرانی سلطنت تھی جس کی سرحد عرب سے ملتی تھی، اس لئے عرب دونوں ملکوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے، ان کی لوٹ مار سے بچنے کیلئے دونوں سلطنتوں نے اپنے اپنے

ماتحت عربوں کی ریاستیں قائم کردی تھیں، ایرانی اور رومی حکومتیں ایک دوسرے کی حریف تھیں، اور ان میں جنگیں ہوتی رہتی تھیں، عربی ریاستوں کے قیام سے ان کا مقصد یہ تھا کہ سرحدوں پر امن بھی قائم رہے اور جب دونوں سلطنتوں میں جنگ ہو تو ان ریاستوں سے مدد بھی ملے، ایرانیوں کی قائم کردہ ریاست حکومتِ لخمی کہلاتی تھی، اس کا دوسرا نام حیرہ بھی تھا اس لئے کہ اس کا صدر مقام حیرہ تھا جو کوفہ سے متصل تھا، اور رومیوں کی قائم کی ہوئی ریاست غسانی حکومت کہلاتی تھی،

حکومتِ حیرہ اور ایرانی حکومت کے تعلقات درمیان میں خراب بھی ہوجاتے تھے، اور ایرانی فرماں روا حکومتِ حیرہ کے حکمرانوں میں ردوبدل بھی کرتے رہتے تھے، کبھی ایک قبیلے کو حکمراں بنلاتے، کبھی اس کو معزول کرکے دوسرے قبیلے کو حکمراں بناتے، تاکہ عرب زیردست بھی رہیں اور طاقت نہ حاصل کرلیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ایران اور حکومت حیرہ کے درمیان جنگ ہوئی، جس میں حکومتِ حیرہ فتحیاب ہوئی، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ عرب نے عجم سے اپنا بدلہ لے لیا،

عرب میں اسلام کے ذریعہ جو اسلامی حکومت وجود میں آئی وہ اعلیٰ درجہ کی اصولی واخلاقی اور صحیح معنوں میں انصاف پسند اور خیر خواہِ خلائق تھی، اس کے برعکس ایرانی حکومت کا نصب العین شاہ، شاہی خاندان، اہلِ دربار اور امراء ورؤساء کا اقتدار وتعیش تھا، اس لئے حکومتِ ایران، اسلامی حکومت کو اپنے لئے پیغامِ مرگ سمجھتی تھی، اور نہیں چاہتی تھی کہ یہ قوت حاصل کرے اور فروغ پائے، چنانچہ اسی بنا پر سجاح کو جس نے نبوت کا دعویٰ کرنے کے بعد مدینہ منورہ پر فوج

کشی کی تھی، ایرانی سلطنت کا تعاون حاصل تھا، سر ولیم میور جو اسلام کا کٹر مخالف ہے وہ بھی لکھتا ہے کہ "سرحدی علاقوں کی مسلمان فوجوں کا عراق اور شام کی ریاستوں سے تصادم ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ (ایران) دونوں نے اپنی اپنی ریاستوں کی مدد کی، اس بنا پر جنگ کا دائرہ وسیع ہوگیا، اور اسلام کو مجبوراً مشرق و مغرب کی دو طاقتور سلطنتوں سے مقابلہ کرنا پڑا"

ہمیں اتنی وضاحت اس لئے کرنی پڑی کہ یورپ کے بعض متعصب علماء نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومت نے ایران اور شام کی جنگ اس لئے چھیڑ دی کہ عرب ان میں مصروف ہوجائیں اور اسلامی حکومت کے خلاف پھر کوئی بغاوت برپا نہ ہو، لیکن حقیقتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی، اگر اسلامی حکومت اپنی دونوں سرحدوں سے ایران اور روم کے اقتدار کو ختم نہ کر دیتی، تو وہ اسلامی حکومت کیلئے ہمیشہ خطرہ بنی رہتیں، اور سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے حکومتِ اسلامی خود اپنے گھر میں محفوظ نہ رہتی،

جہادِ عراق کی ابتداء

حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضؓ ایک صحابی اور قبیلہ بنو بکر کے سردار تھے، جو بحرین میں آباد تھا، فتنۂ ارتداد و بغاوت کے زمانے میں یہ نہ صرف خود اسلام پر قائم رہے بلکہ انھوں نے آٹھ ہزار مسلمانوں کے ساتھ مرتدینِ بحرین کی سرکوبی میں حضرت علاء بن حضرمی رضؓ کی گراں قدر امداد کی تھی،

ارتداد و بغاوت کے خاتمہ کے بعد حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضؓ دربارِ خلافت میں آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے درخواست کی کہ انھیں اہلِ عراق سے جہاد کرنے کی اجازت دی جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کے سابقہ کارناموں

کے پیشِ نظر ان کی درخواست قبول فرمائی،

حضرت خالد بن ولید رضؓ بھی یمامہ کی جنگ سے فارغ ہو چکے تھے نیز حضرت صدیق اکبر رضؓ اس حقیقت سے واقف تھے کہ مثنیٰ بن حارثہؓ تنہا اتنی بڑی مہم کا حق ادا نہیں کر سکتے، اس لئے آپ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ حضرت خالدؓ کو روانہ کیا اور مثنیٰ بن حارثہ رضؓ کو لکھ دیا کہ وہ حضرت خالد کی پیروی کریں،

اسلامی حکومت اپنے فرضِ دعوت اور اپنی امن پسندانہ پالیسی کو کسی حالت میں کبھی فراموش نہیں کرتی تھی، اس لئے روانگی کے وقت حضرت خلیفہ رسول رضؓ نے حضرت خالد رضؓ کو ہدایت فرمائی کہ وہ سرزمینِ عراق میں پہونچ کر لوگوں کی دلجوئی کریں، ان کو خدا کی طرف بلائیں، اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں تو بہتر ورنہ ان سے جزیہ طلب کریں، اگر وہ اس سے بھی انکار کریں تو پھر جنگ کی جائے، نیز ہدایت کی کہ جو شخص ساتھ دینے کیلئے تیار نہ ہو اس کو مجبور نہ کیا جائے اور جو لوگ ارتداد کے بعد مسلمان ہوئے ہیں ان سے کسی قسم کی امداد طلب نہ کی جائے،

ان ہدایتوں سے حضرت صدیق اکبرؓ کی رواداری اور تدبر دونوں کا یکساں اظہار ہوتا ہے،

مُجاہدین کی پہلی فتح

خلیج فارس کے قریب ایک اہم مقام حفیر تھا، جہاں کا ایرانی گورنر ہرمز تھا، ایرانی اُمراء کے مرتبے کا تعین ان کی ٹوپی کی قیمت سے ہوتا تھا، ہرمز ایک بڑے مرتبے کا حاکم تھا جس کی ٹوپی ایک لاکھ کی تھی،

حضرت خالدؓ دس ہزار مجاہدین کے ساتھ عراق میں داخل ہوئے

اور دوسری طرف سے حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضؓ اپنی آٹھ ہزار جمعیت کے ساتھ آگئے، حضرت خالدؓ نے حفیر کی طرف پیش قدمی کرنے سے پہلے ہرمز کے نام اس مضمون کا ایک خط روانہ کیا۔

"تو اسلام قبول کرلے گا تو مامون و محفوظ رہے گا، اگر یہ منظور نہیں تو ذمی ہونا قبول کرکے جزیہ دینے کا اقرار کر، بصورت دیگر تجھے خود اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے کو ملامت کرنے کا موقع باقی نہ رہے گا، میں ان لوگوں کو لے کر تیری طرف پیش قدمی کر رہا ہوں جو موت کو اسی طرح عزیز رکھتے ہیں جس طرح تم لوگ زندگی کو عزیز رکھتے ہو"،

ہرمز کو یہ خط ملا، تو اس نے شہنشاہِ ایران یزدگرد سے امداد طلب کی، اور اس نے امداد بھیج دی،

مقابلے کا وقت آیا تو ہرمز نے میمنہ اور میسرہ دونوں پر شاہی خاندان کے دو نوجوان مقرر کیے جن کے نام قباض اور انوش جان تھے، اور ان کی ماتحتی میں ایرانی جنگجو تھے، انھوں نے پیروں میں زنجیریں ڈال رکھی تھیں، تاکہ بھاگ نہ جائیں، اسی لئے یہ جنگ غزوۂ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خالدؓ کی فوج کے ایک حصے کے افسر مثنیٰ بن حارث تھے، دوسرے کے حضرت عدی بن حاتم طائی اور تیسرا حصہ خود حضرت خالدؓ کی قیادت میں تھا، ہرمز نے حضرت خالدؓ کو مقابلے کی دعوت دی، آپ آگے بڑھے، ہرمز نے شہسواروں کے ایک دستے کو مقرر کردیا تھا کہ جب حضرت خالدؓ تنہا اس کے ساتھ مصروفِ مقابلہ ہوں تو وہ اچانک ان پر حملہ کردے، چنانچہ یہی ہوا لیکن ہرمز کا خفیہ دستہ جیسے ہی اپنی کمین گاہ سے باہر نکلا حضرت قعقاع

بن عمرو رضؓ نے اسلامی صف سے نکل کر اس شدت سے حملہ کیا کہ ایرانی شہسوار بدحواس ہو کر بھاگ گئے، ادھر حضرت خالدؓ نے ہرمز کی پیشانی پر ایسا کاری وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا، باقیماندہ ایرانی حوصلہ ہار کر بھاگ گئے اور میدان اسلامی فوج کے ہاتھ رہا۔

جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ہرمز کی ایک لاکھ قیمت کی ٹوپی بھی تھی،

مذار کی جنگ

یزدگرد کو ایرانیوں کی شکست کی اطلاع ملی تو اس نے بڑے بڑے امرا کی سرکردگی میں ایک عظیم لشکر مسلمانوں کے مقابلے کیلئے بھیجا، حفیر کے بھاگے ہوئے ایرانی بھی اس سے جا ملے، دجلہ اور فرات کے سنگم پر ایک مقام مذار ہے، ایرانیوں نے وہیں مقام کیا حضرت خالد بن ولیدؓ پیش قدمی کر کے مذار پہنچے، جنگ شروع ہوئی مشہور ایرانی بہادر قارن مقابلے کیلئے آگے بڑھا جو حضرت عدی بن حاتم کے ہاتھ سے مارا گیا، قباذ اور نوش جان بھی لڑتے ہوئے مارے گئے، اس جنگ میں تیس ہزار ایرانی کام آئے، باقی کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ گئے، درمیان میں دریا حائل نہ ہو جاتا تو ایک ایرانی زندہ نہ بچ سکتا، اسیروں میں ابوالحسن بصری بھی تھے، جو مسلمان ہو کر بلند مرتبہ صاحب معرفت ہوئے

وَلجہ کی جنگ

شاہ یزدگرد نے اس مرتبہ پے در پے دو لشکر بھیجے ایک کا سپہ سالار اندرزغر تھا، دوسرے کا جادویہ، دجلہ اور فرات کے درمیان شام تک عرب قبیلے آباد تھے، جو عیسائی ہو گئے تھے، آزادی کا فریب دے کر ایرانیوں نے ان کو بھی ملا لیا، ایرانیوں نے ولجہ میں مورچہ قائم کیا۔ یہ مقام بھی دجلہ اور فرات کے سنگم کے قریب تھا،

حضرت خالد بن ولیدؓ نے مذار سے کوچ کرتے ہوئے اپنے دو افسروں کو ہدایت کردی تھی کہ اپنی فوجیں لے کر دونوں دو مختلف راستوں سے چلیں، اور عقب کی جانب سے اچانک ایرانی لشکر پر ٹوٹ پڑیں، چنانچہ عین اس وقت جب ایرانی لشکر اور مجاہدین اسلام میں ہولناک جنگ ہو رہی تھی دونوں اسلامی فوجوں نے ایرانیوں پر حملہ کردیا، ایرانی بدحواس ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے، اندرزغر میدانِ جنگ سے تو بھاگ نکلا لیکن شدتِ تشنگی سے آخر وہ بھی ہلاک ہوگیا،

جنگِ اُلَّیس

اس جنگ میں عرب قبیلوں کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی بنا پر ان میں انتقامی جذبہ بھڑک اٹھا، اس علاقہ کے غیر عرب عیسائیوں نے بھی مذہبی تعلق کی بنا پر ان کا ساتھ دیا، انھوں نے یزدگرد سے مدد طلب کی اور خود بڑے پیمانے پر جنگی تیاری کر کے مقام اُلَّیس میں جمع ہوئے، جو اُبلہ اور حیرہ کے وسط میں فرات کے کنارے آباد تھا، یزدگرد نے بہمن جارویہ کو ان کی امداد کا حکم بھیجا، بہمن کو کسی معاملے میں یزدگرد سے کچھ گفتگو کرنی تھی، وہ جابان کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے بادشاہ کے پاس چلا گیا، اور ہدایت کر گیا کہ وہ جب تک واپس نہ آجائے پیش قدمی نہ کی جائے، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ اسلامی لشکر لئے ہوئے بادوباراں کی طرح دشمن کے سر پر جا پہنچے، جنگ میں اعرابیوں کا نامور بہادر مالک بن قیس حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کے مارے جاتے ہی دشمن فوج میں بھگدڑ مچ گئی، اور دیکھتے ہی دیکھتے میدان صاف ہوگیا، عرب مورخین کے بیان کے مطابق اس جنگ میں دشمن کے ستر ہزار آدمی مارے گئے،

یہاں سے فتح کا پرچم اڑاتے ہوئے حضرت خالدؓ نے امغیشیا کا رخ کیا،

وہاں کے باشندوں نے بغیر جنگ اطاعت قبول کرلی،

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ خالد رضؓ کے پیہم فاتحانہ کارناموں کی اطلاع ہوئی تو جوشِ مسرت میں بول اٹھے "عورتیں خالد رضؓ کا مثل پیدا کرنے سے عاجز ہیں،"

حیرہ کی فتح

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ حیرہ عراقِ عرب کا دارالحکومت تھا جہاں ایرانی سلطنت کے ماتحت عرب قبیلے کی حکومت قائم تھی،

حضرت خالد بن ولید رضؓ نے طے کرلیا کہ جب تک حیرہ کو فتح اور عرب قبائل کو مطیع نہ کیا جائے گا ایرانیوں کا زور توڑا نہیں جا سکتا، چنانچہ آپ نے حیرہ پر فوج کشی کی، اس وقت حیرہ کا گورنر آزادبہ تھا، اس نے اپنے بیٹے کو آگے روانہ کیا اسلامی لشکر سے اس کا مقابلہ ہوا، اور وہ مارا گیا، اس دوران میں آزادبہ کو شاہِ ایران یزدگرد کے مرنے کی اطلاع ملی، وہ گھبرا کر بھاگ گیا، اہلِ حیرہ کو مقابلے کا حوصلہ نہ ہوا، وہ قلعہ بند ہوگئے، مگر صبح و شام ہی میں اسلامی فوج قلعہ میں داخل ہوگئی، اہلِ حیرہ نے ایک لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اطاعت قبول کرلی، اسی کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ وہ ایرانیوں کے متعلق جاسوسی کے فرائض انجام دیں گے، اور مسلمانوں نے یہ عہد کیا کہ وہ اہلِ حیرہ کے گرجاؤں اور محلوں کو منہدم نہ کریں گے،

حضرت خالد بن ولید رضؓ مدائن کی طرف پیش قدمی کرنی چاہتے تھے لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہونچا کہ جب تک حضرت عیاض رضؓ نہ پہونچ جائیں اور اجازت نہ دی جائے مدائن کا قصد نہ کیا جائے، اس طرح حضرت خالد رضؓ کو حیرہ میں قیام کرنا پڑا، اس درمیان میں گرد و پیش کے علاقوں کے سرداروں نے مسلمانوں

کا اخلاق اور اہل حیرہ کے ساتھ ان کے حسنِ سلوک کو دیکھا تو خود سے آ کر جزیہ دینے کی شرط پر اطاعت قبول کر لی، اس طرح جنوب میں خلیجِ فارس، شمال میں حیرہ مع مغرب میں بلادِ عرب اور مشرق میں دجلہ تک کا علاقہ اسلامی حکومت کے زیرِ علم آ گیا، یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ عہدِ صحابہ میں سپہ سالارانِ فوج بھی اسلامی تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے، چنانچہ حضرت خالدؓ نے ایران کے عوام کے علاوہ ان کے خواص کو دعوتِ اسلامی کے خطوط بھیجے،

انبار اور عین التمر کی فتح

ایرانی دم لے کر پھر انبار اور عین التمر میں جمع ہونا شروع ہوئے، حضرت خالد بن ولیدؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حیرہ میں قعقاع کو اپنا قائم مقام کیا، اور انبار کی طرف روانہ ہوئے، اہل انبار کھلے میدان میں مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گئے، اور قلعہ کے اوپر سے اسلامی فوج پر تیر باری کرنے لگے، قلعہ کے چاروں طرف پانی سے بھری ہوئی خندقیں تھیں، اس لئے اسلامی فوج قلعہ تک نہ پہونچ سکتی تھی، حضرت خالدؓ نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ دشمنوں کی آنکھوں کو نشانہ بنا کر تیر ماریں، اس طرح اسلامی تیر اندازوں نے ایک ہزار آنکھیں چوپٹ کر دیں، قلعہ تک پہونچنے کیلئے حضرت خالدؓ نے یہ تدبیر کی کہ دبلے پتلے بیکار اونٹ ذبح کر کے خندق میں پھینکوا دیئے، اس طرح قلعہ تک پہونچنے کا راستہ تیار ہو گیا، انبار کا حاکم شیرزاد تھا، اس نے حضرت خالد کی مرضی کے مطابق شرطیں قبول کیں، اور قلعہ حضرت خالدؓ کے سپرد کر کے بہمن جادویہ کے پاس چلا گیا،

حضرت خالدؓ نے زبرقان بن بدر کو، انبار میں اپنا نائب مقرر کیا، اور

لشکر کے ساتھ عین التمر کی طرف بڑھے، یہاں کا حاکم بہرام جوبیں کا بیٹا مہران تھا، اس کے پاس ایرانیوں کے علاوہ سرحدی علاقوں کے عربوں کی فوجیں بھی تھیں، انھیں میں ایک مشہور سردار عقہ تھا، اس نے مہران سے درخواست کی کہ عرب سے عرب ہی لڑ سکتا ہے، مجھ کو خالد سے مقابلہ کرنے کی اجازت دی جائے، اسی طرح عقہ کی شامت نے اسے موت کے سامنے پہونچا دیا، اس نے حضرت خالدؓ پر وار کیا، آپ اس کا وار خالی دے کر اس پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں دبوچ لیا، عقہ کے گرفتار ہوتے ہی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور ساتھ ہی مہران بھی بھاگا، قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، عقہ اور اس کے فتنہ پرداز ساتھی قتل کر دئے گئے،

یہاں ایک گرجا تھا جس کا دروازہ اندر سے بند تھا، حضرت خالدؓ نے دروازہ توڑوایا تو اس میں چالیس لڑکے ملے، جو انجیل پڑھ رہے تھے، دریافت کرنے پر لڑکوں نے بتایا کہ ہم یہاں گرو ہیں، یہ لڑکے مجاہدین میں تقسیم کر دئے گئے، اسلام کی برکت دیکھو، انھیں لڑکوں میں دو نامور مسلمان ہوئے، ایک موسیٰ بن نصیر، جنھوں اندلس فتح کیا، اور دوسرے حضرت ابو محمد بن سیرینؒ جو بصرہ کے بہت بڑے فقیہہ اور عالم ہوئے، اسلام جن کو غلام بناتا ہے ان کو رشکِ احرار بنا دیتا ہے، صنم خانے سے آنے والے اہلِ حرم کے سرمایہ بن گئے یہ فیض کس مذہب کے حصے میں آیا؟

دُومۃ الجندل کی فتح

یہ بڑا اہم مقام تھا جو عین التمر سے تین سو میل کے فاصلے پر تھا، دومۃ الجندل کے باشندے بھی مرتد اور باغی ہوگئے تھے، انھیں میں اکیدر بھی تھا، جو عہدِ رسالت

میں مسلمان ہو گیا تھا مگر اب مرتد تھا، حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عیاض بن غنمؓ کو اہلِ دومۃ الجندل کی سرکوبی پر مامور کیا تھا، مگر وہ اب تک کامیاب نہ ہو سکے تھے، مقامی باشندوں کے علاوہ مفتوحہ علاقوں کے مفرورین بھی یہاں آکر جمع ہو گئے تھے،

ولید بن عقبہ عین التمر کا مالِ غنیمت لیکر دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ایک فوج کے ساتھ ان کو عیاض بن غنمؓ کی مدد کیلئے بھیجدیا، انھوں نے حضرت عیاض کو مشورہ دیا کہ خالد بن ولیدؓ کے بغیر یہ مہم سر نہ ہو گی، حضرت خالد بن ولیدؓ خود دومۃ الجندل کا ارادہ کر چکے تھے، حضرت عیاض کا خط پاتے ہی روانہ ہو گئے، اور صرف دس روز میں تین سو میل کی مسافت طے کر کے حضرت عیاض بن غنمؓ سے جاملے، دومۃ الجندل والے دو سرداروں کی زیرِ قیادت تقسیم تھے، ان میں ایک اکیدر تھا، جو سیف اللہ کی تلوار کی کاٹ سے واقف تھا، آپ کا نام سنتے ہی بھاگا، مگر تعاقب کرنے والے اسلامی دستے کے ہاتھ گرفتار ہو گیا، اور ارتداد کی پاداش میں قتل کیا گیا، دوسرا سپہ سالار جودی تھا، وہ میدان مقابلے میں آیا، اور گرفتار کر لیا گیا، اس کے بعد حضرت خالدؓ نے قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا، سردارِ قبیلہ کی بیٹی جو حسن و جمال میں مشہور تھی گرفتار ہوئی، حضرت خالدؓ نے اسے آزاد کر کے اس سے عقد کر لیا،

اہلِ عراق کی بغاوت

حضرت خالد کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر حیرہ کے علاقے کے ایرانیوں اور عربوں نے بغاوت کر دی جس میں بنو تغلب پیش پیش تھے، عقہ جو عین التمر کی جنگ میں مارا گیا

تھا اسی قبیلے کا سردار تھا، قعقاعؓ جو حیرہ میں حضرت خالدؓ کے قائم مقام تھے
اتنی وسیع و عظیم بغاوت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے تھے،

مختلف خطوں کے باغیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں جمع ہو گئی تھی حضرت خالدؓ کو اطلاع ہوئی تو تمام افسرانِ اسلام کو لے کر حیرہ پہنچے، باغی مختلف گروہوں میں مختلف سرداروں کے ماتحت تقسیم تھے، حضرت خالدؓ نے بھی اسلامی فوج کو متعدد افسروں کی ماتحتی میں تقسیم کر دیا، جن باغیوں کی سرکوبی پر جو اسلامی فوج مقرر کی گئی تھی، اس نے بغاوت کو کچل کر رکھ دیا، اور تھوڑے ہی دنوں میں بغاوت کی آگ سے دہکتا ہوا علاقہ ٹھنڈا ہو گیا، حضرت خالدؓ نے طے کر لیا تھا کہ اس مرتبہ بنو تغلب کو ختم ہی کر کے چھوڑیں گے، چنانچہ عام بغاوت کو فرو کر لینے کے بعد آپ نے تین طرف سے بنو تغلب پر حملہ کیا، دو فوجیں قعقاع اور ابو یعلیٰ کی زیر قیادت تھیں، تیسری خود حضرت خالدؓ کے زیر علم تھی، یہ حملہ کچھ اس انداز سے ہوا کہ بنو تغلب میں سے ایک دوسرے کی خبر بھی نہ لے سکا، جو عورتیں گرفتار ہو کر مدینہ آئیں ان میں سردارِ قبیلہ ربیعہ بن بجیرا کی بیٹی ام حبیب صہبا بھی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام حبیب کو خرید لیا، اس سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عمر تھا، دوسری بیٹی رقیہ تھیں،

سلسلۂ بغاوت سے متعلق ایک واقعہ بڑا عبرتناک اور سبق آموز ہے مسلمانوں نے قبیلۂ ہذیل کے مرتدوں کے یہاں دو ایسے شخص مقیم تھے جو مسلمان ہو چکے تھے، ان کے پاس حضرت صدیق اکبرؓ کا تصدیق نامہ بھی تھا، مجاہدین نے قبیلۂ ہذیل پر شبخوں مارا تو دونوں مسلمان بھی مارے گئے، ان کے نام عبدالعزیٰ

اور جریر تھے، اس کی ذمہ داری حضرت خالد رضؓ پر تھی الکا یہ عذر تھا کہ کسے معلوم کہ دشمن کے کیمپ میں دو مسلمان بھی ہیں؟ معاملہ دربارِ خلافت تک پہنچا، حضرت خالدؓ کے خلاف حضرت عمر رضؓ کے برہمی ظاہر کرنے پر حضرت ابوبکر رضؓ نے جو جواب دیا وہ قابلِ غور ہے، فرمایا "مشرک کے ساتھ جو قیام کرتا ہے وہ ایسے ہی نتیجے سے دوچار ہوتا ہے۔" دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا "میں خوں بہا تو دیتا ہوں مگر مجھ پر یہ واجب نہیں ہے کیونکہ دونوں ایک حربی کے یہاں مقیم تھے"

اللہ تعالےٰ ہر مسلمان کو اس پوزیشن سے محفوظ رکھے،

فراض کی جنگ فراض ایک مقام ہے جو عراق اور شام کی سرحد پر دریائے فرات کے شمالی حصہ میں واقع ہے، عراق کی بغاوت فرو کرنے کے بعد حضرت خالد بن ولید رضؓ نے فراض کا رخ کیا اور فرات کے ساحل پر قیام کیا، شام رومی سلطنت کا مقبوضہ تھا، اسلامی فوج کا اپنی سرحد کے نزدیک آنا رومیوں کو سخت ناگوار گذرا، اس علاقے کے ایک طرف ایرانی چھاؤنیاں تھیں، دوسری جانب رومی سلطنت کے باج گذار عرب قبیلے، رومی ان سب کو لے کر اسلامی فوج کے مقابلے کو نکلے، بیچ میں فرات بہتا تھا، رومی اپنی طاقت کے زعم میں دریا پار کر آئے، حضرت سیف اللہ بھی شمشیر بکف تیار تھے، غازیانِ اسلام کو للکارا کہ بھیڑوں کو ہر طرف سے گھیر لو، تاریخ تو بتاتی ہے کہ اسلامی تلواروں نے ایک لاکھ کی عظیم جمعیت کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اللہ اکبر! اللہ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت خالدؓ کو "سیف اللہ" کا کتنا سچا خطاب عطا فرمایا تھا، کس خرمن پر یہ بجلی چمکی اور اسے خاکستر نہیں کر دیا؟ ـ

حضرت خالدؓ کی ایک کرامت

۲۵ ذی قعدہ ۱۲ھ کو فراض کی جنگ ختم ہوگئی اس اعتبار سے حج کو صرف دو ہفتے باقی تھے، آپ نے فوج کو تو حیرہ روانہ کیا، اور خود حج کو چلے گئے، اور فوج کے حیرہ پہنچنے سے پہلے حج سے فارغ ہوکر فوج سے آملے، امیرِ حج حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ تھے، نہ ان کو پتہ چلا اور نہ فوج کو، حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوئی تو بلا اجازت اس طرح مقام متعینہ کو چھوڑ دینے پر سرزنش فرمائی، مگر حضرت خالدؓ کے اس شوقِ حج اور اس برق رفتاری کی تو داد دینی ہی پڑتی ہے، جو کرامت کے درجے تک پہنچی ہوئی ہے،

ایک فاتح کا حسنِ انتظام

حضرت سیف اللہ خالد بن ولیدؓ کو دنیا ایک بے مثال فاتح کے نام سے جانتی ہے، اور بالکل صحیح جانتی ہے کہ آپ نے اٹھارہ مہینے کی قلیل ترین مدت میں ساحلِ خلیجِ فارس سے لے کر سرحدِ شام تک کے وسیع علاقے کو خلافتِ اسلامیہ کے زیرِ نگیں کر دیا، اور ایرانی، عرب قبائل، اور رومی سبھی کے منہ پھیر دئیے ساتھ ہی جن علاقوں کو فتح کیا ان پر موزوں حاکم اور ان کے ماتحت ٹیکس اور جزیہ وصول کرنے والے عمال مقرر کر دئیے، اور کسانوں کو جو صدیوں سے امیروں اور جاگیرداروں کے جبر و استبداد کی چکی میں پس رہے تھے، نجات دلاکر ترقی اور خوش حالی کی راہ پر ڈال دیا، شمشیر زنی اور صف شکنی کے ساتھ اپنے نظمِ مملکت اور حسنِ انتظام سے ثابت کر دیا کہ اسلام مخرب امن و انسانیت نہیں بلکہ امن و انسانیت کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔

جہادِ شام

جہادِ عراق کے شروع میں یہ بتاتے ہوئے کہ اسلامی خلافت اور ایرانی سلطنت میں جنگ کیوں ہوئی، مختصراً خلافتِ اسلامیہ اور سلطنتِ روم کی باہمی جنگ کے وجوہ کی جانب بھی اشارہ کیا جا چکا ہے،

مسلمانوں اور رومیوں کے مابین عہدِ رسالت ہی میں بنائے مخاصمت پڑ چکی تھی، سنہ ۶ھ میں ہرقل قیصرِ روم کے باجگزار فرماں روا شرجیل بن عمرو غسانی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تھا، ان کا انتقام لینے کے لئے سنہ ۸ھ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی تھی، اور میدانِ موتہ میں اسلامی فوج اور شرجیل غسانی کے درمیان جنگ ہوئی تھی، جس کی پشت پناہی رومی فوج کر رہی تھی،

شام کا فرماں روا ہونے کی حیثیت سے یوں بھی قیصرِ روم کیلئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی کہ اس کے ہمسایہ ملک عرب میں ایک نئی طاقت ابھرے اور کامیاب ہو، اس لئے قیصر نے سنہ ۹ھ میں مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے تبوک تک پہنچ گئے، تو یہ عزم و حوصلہ دیکھ کر قیصر اپنے ارادے کو عمل میں لانے کی ہمت ہار بیٹھا، اور مقابلے کو نہ نکل سکا، یہ رسالتِ ربانی کا دبدبہ تھا،

حضرت اسامہ بن زید رضی کی سرکردگی میں جو فوج بھیجی گئی تھی وہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی، مرتدین کی جنگوں کے سلسلے میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ رومی

سلطنت کے زیراثر قبائل کا رویہ اسلامی خلافت کے متعلق کس قسم کا تھا، اور رومیوں کا طرزِ عمل کیسا تھا؟ ان واقعات کی کڑیوں کو جوڑنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رومی سلطنت خلافتِ اسلامیہ کے ایک معاند اور حریف کی حیثیت اختیار کر چکی تھی، قطع نظر ان حالات کے یہ بات خود اسلامی خلافت کے مصالحِ وجود کے منافی تھی کہ اس کی سرحد پر ایک عظیم طاقت موجود ہو، اور وہ اپنے زیرِ اثر عرب ریاستوں کو آلۂ کار کی طرح استعمال کر کے اسلامی خلافت کی سلامتی اور امن و امان میں خلل انداز ہوتا رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چاہا تھا کہ اگر رومی سلطنت کی طرف سے اطمینان کی شکل پیدا ہو جائے تو جنگی کارروائی عمل میں نہ لائی جائے، چنانچہ آپ نے ایک سفارت کے ذریعہ قیصرِ روم کے پاس یہ تجویز بھیجی تھی کہ ارضِ شام جس پر قیصر قابض ہے اسے خدا نے مسلمانوں کے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا تھا، اگر وہ اسے واپس کر دے، تو مسلمانوں کو اس سے کوئی پرخاش نہیں ہے، لیکن قیصر نے اس مبنی بر امن تجویز کو قبول نہیں کیا۔ سیاسی و ملکی مسائل و مصالح کے علاوہ ایک اخلاقی اور اصلاحی پہلو بھی قابلِ لحاظ ہے، اسلام کا مقصدِ وجود بدی کو مٹانا، نیکی کو قائم کرنا اور کچلی ہوئی بےچین انسانیت کو جبر و استبداد اور شر و طغیان سے نجات دلانا ہے، باقی مقاصد و مصالح اسی مقصد کے ماتحت اور معاون ہیں، اس زمانے میں ایرانی اور رومی سلطنتوں کی اخلاقی حالت کیا تھی؟ اور ان سلطنتوں میں عوام کس قسم کی ابتلاء و آزمائش میں مبتلا تھے؟ اس پر تاریخی شہادتیں موجود ہیں، یہاں اسلام کے ممتاز مخالف سر ولیم میور کی شہادت کافی ہوگی، وہ لکھتا ہے۔

"اہلِ شام رومی سلطنت کے ماتحت طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے تھے، اختلافِ مذہب کی بنا پر ان کو سخت سزائیں دی جاتیں،

ان سے بھاری ٹیکس وصول کئے جاتے تھے، ان حالات کی بنا پر مسلمان عربوں نے شام پر حملہ کیا تو شامی عرب صرف تماشائی کی حیثیت سے (اس حملے کو) دیکھتے رہے (انھوں نے فتح میں کوئی حصہ نہیں لیا) اس لئے کہ وہ رومیوں کے مقابلے میں حملہ آوروں سے بہتر توقع رکھتے تھے، جن کا برتاؤ نرم تھا، اور جن میں رومیوں سے زیادہ نرم دلی اور رواداری تھی۔

سر ولیم میور نے جو کچھ لکھا ہے وہ کم از کم بے ہودہ، شامی عرب صرف تماشہ ہی نہیں دیکھتے رہے بلکہ وہ اسلامی فوج کی خدمتیں بھی انجام دیتے رہے، بہ الفاظ دیگر خود شام کے حالات اسلامی نجات دہندوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے،

جلسہ شوریٰ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رومیوں سے جہاد کا فیصلہ کیا تو مہاجرین و انصار کا ایک جلسہ شوریٰ طلب کیا، اس کی کارروائی دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں شوریٰ کا کیا طریقہ تھا، اور دنیا کی یہ نئی مملکت کس انداز سے اہم مسائل طے کرتی تھی،

اس جلسے میں جو اہم ترین شخصیتیں شریک تھیں مورخین نے ان میں سے کچھ کے نام یہ بتائے ہیں:۔ حضرت فاروق اعظمؓ۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ۔ حضرت علی مرتضیٰ فاتح خیبرؓ۔ امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حواری رسول حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ یاد رہے کہ اس وقت بہت سے اکابر مہاجرین و انصار عراق کے مختلف شہروں میں مامور و متعین تھے،

حضرت خلیفہ رسولؓ نے اصحاب شوریٰ کو مخاطب کر کے افتتاحیہ تقریر فرمائی۔
"اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتیں حد شمار سے باہر ہیں۔ اس کے بندے اپنے اعمال

سے اس کے احسانات کے شکریہ کا حق ادا نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ کی بہت بہت ستائش کہ اس نے تم میں اتحاد پیدا کر کے تم پر احسان فرمایا اور تمہارے باہمی اختلاف کو دفع کر دیا، تمہیں اسلام کی راہ دکھائی اور شیطان کو تم سے دور کر دیا، اس لئے تمہارے متعلق اب یہ اندیشہ نہیں رہا کہ تم آئندہ کبھی شرک میں مبتلا ہو گے، اور اللہ کے بجائے کوئی اور معبود بنا لو گے،

تمام عرب ایک باپ ماں کی اولاد ہیں، میں چاہتا ہوں کہ عربوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کیلئے شام بھیجوں، اس جہاد میں جو مارا جائے گا، وہ شہید ہو گا اور نیکو کاروں کیلئے اللہ کے یہاں جو اجر و ثواب ہے وہ اس دنیا سے کہیں بہتر ہے اور جو زندہ بچ جائے گا، اس کا شمار دینِ خدا کے حامیوں میں ہو گا، اور اللہ سے مجاہد کا ثواب پائے گا۔

یہ میری رائے ہے اب تم اپنی رائے کا اظہار کرو۔"

اس تقریر کے عناصر اور اسکی جامعیت پر غور کیجئے، صحابہ کرام میں کون سی روح کارفرما تھی، آج کے علماء و مقررین گھنٹوں کی تقریروں میں جو باتیں نہیں کہہ سکتے حضرت صدیق اکبرؓ کی اس تقریر میں وہ موجود ہیں۔ اللہ کی حمد و ستائش، اس کے احسانات کا اعتراف و اقرار، باہمی اتفاق و اتحاد، توحیدِ الٰہی پر استقامت اور شرک سے اجتناب دنیا پر آخرت کو ترجیح، دینِ حق کی تائید و حمایت کی زندگی کی عظمت، حضرت صدیقؓ نے کہنے کی کون سی بات چھوڑ دی؟ تعلیماتِ اسلام کی پوری روح کھینچ کر پیش کر دی،

حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور تمام مہاجرین و انصار نے تائیدی تقریریں فرمائیں اور سب بزرگوں نے بالاتفاق کہا۔

"آپ نے جو طے کیا ہے۔ اس پر عمل فرمایئے، ہم سب آپ کی اطاعت کریں گے،

ہم میں سے نہ کوئی آپ سے اختلاف کرے گا نہ آپ کی رائے میں ریب وشک کو جائز رکھے گا۔ اور نہ آپ کی پکار کو رد کرے گا۔"

اصحاب شوریٰ کی تائید کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے آخری تقریر فرمائی۔

"اللہ تعالیٰ نے اسلام جیسا دینِ حق عطا کر کے تم احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اور جہاد کے ذریعہ تم کو قوت بخشی ہے۔ اور اس دینِ حنیف کے ذریعہ تمہیں سارے مذاہب کے پیروؤں پر فضیلت عطا فرمائی ہے، اب تم جہادِ شام کیلئے تیار ہو جاؤ میں تم میں بعض کو امیر بناؤں گا، تم اپنے رب کے اطاعت گذار اور اپنے امراء کے فرماں بردار رہنا۔"

سپہ سالاروں کا تقرر

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ، اور حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"میں تم لوگوں کو جہادِ شام کیلئے روانہ کرنا اور مجاہدین کا سپہ سالار بنانا چاہتا ہوں۔ جتنی فوجیں جمع کر سکوں گا ہر ایک کی سرکردگی میں جدا جدا روانہ کروں گا۔ اگر کسی محاذ پر تم کو جمع ہونا پڑے تو سب کے سپہ سالار ابوعبیدہؓ ہوں گے، اب تم لوگ جنگ کی تیاری کرو۔"

مجاہدین اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں مقیم تھے، حضرت ابوبکرؓ ایک روز صحابہ کو لے کر فوج کے معاینہ کو گئے، تو معلوم ہوا ابھی فوج کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ شام روانہ کی جائے، آپ نے صحابہؓ سے فرمایا۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم خط بھیج کر اہلِ یمن کو جہاد کی دعوت دیں؟ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور حضرت انس بن مالکؓ خلیفہ رسولؐ کے خطوط لے کر یمن گئے، ایک ایک قبیلہ کے سردار کو خلیفہ رسولؐ کے خطوط دئے اور ان کے سامنے جہاد پر تقریر فرمائی

خلیفۂ رسول کی پکار پر سب نے لبیک کہا۔ حضرت ذو الکلاع حمیریؒ تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور تیار ہو کر میدان میں ڈیرا ڈال دیا اور وہیں اپنے قبیلے کو جمع کر کے حمد و نعت کے بعد تقریر کی :۔

"مسلمانو! تمہارے نیکو کار بھائیوں نے تم کو مشرکوں سے جہاد کرنے کیلئے طلب کیا ہے، تاکہ تم اجرِ عظیم کے مستحق بنو، لہٰذا جسے چلنا ہو وہ میرے ساتھ چلے"۔

حضرت ذو الکلاع کی پکار پر ایک بڑی جماعت ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو گئی حضرت ذو الکلاع سب کو لے کر مدینہ پہونچ گئے، وہ گھوڑے پر سوار سب کے آگے آگے تھے، اور سر پر یمنی صافہ ان کی شان کو دوبالا کر رہا تھا، ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تھے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے میدان میں آ کر اہلِ یمن کو دیکھا تو جوشِ مسرت میں فرمایا "اللہ کے بندو! کیا ہم آپس میں کہا نہیں کرتے تھے کہ قبائلِ حمیر اپنے اہل و عیال کیساتھ لد پھند کر آئیں گے، تو اللہ مسلمانوں کو غالب اور مشرکوں کو مغلوب کر دے گا، تو مسلمانو! دیکھو آلِ حمیر خدا کی فتح و نصرت ساتھ لئے ہوئے آ گئے"۔

قبائلِ حمیر کے بعد ہی قیس بن ہبیرہ مرادیؓ قبیلۂ مذحج کے ساتھ، جندب بن عمرو دوسی قبیلۂ ازد کے ساتھ، اور حابس بن سعد طائی قبیلۂ طے کیساتھ پہونچے،

مجاہدین کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلی فوج حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کی سرکردگی میں روانہ فرمائی، وہ روانہ ہونے لگے تو خلیفۂ رسولؐ پیادہ پا ان کو رخصت کرنے چلے، انھوں نے عرض کیا "اے خلیفۂ رسولؐ! یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں یا اجازت دیں کہ میں بھی گھوڑے سے اتر پڑوں، مجھے یہ بے ادبی گوارا نہیں"۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ نہ میں سوار ہوں گا اور نہ تم کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت

دوں گا، میں راہِ خدا میں پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہوں"۔

حضرت ابوبکرؓ کی اسی دل نوازی نے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، واپسی کا وقت ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے جوشِ محبت میں حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ "یزید! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں تم پر خدا کی رحمت و سلامتی سایہ فگن رہے۔ تم میرے اولین سپہ سالار ہو"۔

مجاہدین کی روانگی کے بعد فجر اور عصر کی نماز کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے جو دعا مانگی وہ بڑی پر اثر اور دلگداز ہے،

حضرت ابو عبیدہؓ کی روانگی

حضرت ابوعبیدہؓ دوسرے روز اپنی فوج کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ ثنیۃ الوداع تک رخصت کرنے گئے، الوداع کہتے وقت تقریر فرمائی۔

"ابوعبیدہ بن الجراح! تم اس شخص کی طرح میری بات سنو جو سن کر عمل کرنا چاہتا ہے، تم ایسے لوگوں کے ساتھ جا رہے ہو جو عرب کے معزز اور شریف خاندانوں کے رکن ہیں، یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی شجاع اور بہادر تھے، اور غلط جذبے سے لڑا کرتے تھے، مگر آج خدا سے اجر و ثواب حاصل کرنے کیلئے لڑنے جا رہے ہیں، تم ان سے حسنِ سلوک سے پیش آنا، سب کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرنا کسی کو کسی پر ترجیح نہ دینا"۔

اس طرح آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو وہ نکتے تلقین فرمائے جو کسی فوج کی یکجہتی اور دلجمعی کیلئے ضروری ہیں، اسی کیساتھ سپہ سالار کی قدر افزائی بھی ایک اہم نکتہ ہے اس لئے آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کی نسبت فرمایا۔

"ابوعبیدہ! میں دیکھ چکا ہوں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں

تمہاری کیا قدر و منزلت تھی، اور وہ کس طرح تمہاری قدر و عزت فرمایا کرتے تھے،
میرے دل میں تمہاری جو وقعت ہے اس کا میں اظہار کرنا نہیں چاہتا، اس
ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے مہاجرین اور زمین کے تمام
لوگوں میں میرے نزدیک تم سے اور عمرؓ سے زیادہ مرتبے کا کوئی شخص نہیں"۔

حضرت ابو عبیدہؓ مجاہدین کو لیکر روانہ ہونے لگے تو حضرت صدیق اکبرؓ ان کو ثنیۃ الوداع
تک پہنچانے گئے، اور حضرت ابو عبیدہؓ کو مخاطب کرکے ایک پر اثر الوداعی تقریر فرمائی،
حضرت ابو عبیدہؓ نے آپ کی تقریر کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"خلیفہ رسول! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، اسلام میں آپ کا جو مرتبہ ہے، اللہ اور
اس کے دین کے ساتھ آپ نے جو خیر خواہی کی ہے میں اس پر گواہ ہوں، جو لوگ دینِ حق
سے برگشتہ ہو چکے تھے آپ نے ان سے جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ نے ان کو مغلوب کرکے
دینِ حق کی طرف واپس کردیا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ مومنوں پر مہربان اور کافروں
پر سخت ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو تعلیم و ہدایت فرمائی ہے اس میں برکت دے، اگر
میں نیک ہونگا تو یہ خدا کا فضل و کرم ہوگا، اور اگر خراب ہو جاؤنگا تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے
وہ مجھے راہِ ہدایت پر قائم کردے، ہم پر آپ کا حق ہے کہ جب آپ ہمیں بلائیں تو ہم لبیک
کہیں اور حکم دیں تو اس کو بجا لائیں"۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی فوج میں حضرت قیس بن ہبیرہؓ تھے جو بنو بکر کے معزز ترین
سردار تھے اور زمانہ ارتداد و بغاوت میں بڑی پامردی سے اسلام کی خدمت کر چکے تھے،
حضرت ابو بکرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ان کی قدر و عزت کی ہدایت فرمائی اور قیس بن
ہبیرہؓ کو بتایا کہ ابو عبیدہؓ کس پایہ کے بزرگ اور کس اعزاز و احترام کے مستحق ہیں۔
اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کس طرح ایک ایک بات پر نگاہ رکھتے تھے،

حضرت ابوعبیدہؓ کا شام میں داخلہ

شام میں جابجا رومیوں کی چھاؤنیاں تھیں، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ حدودِ شام میں داخل ہوئے تو آپ کو ان کا سامنا کرنا پڑا، پہلا معرکہ مآب میں ہوا لیکن رومی زیادہ دیر تک میدان میں ٹھہر نہ سکے، بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزیں ہوئے، اور بالآخر جزیہ کی شرط پر اطاعت قبول
قیصرِ روم ہرقل کو اپنی عظیم سلطنت اور اپنی بے پایاں فوج و سپاہ پر غرہ تھا اس کا خیال تھا کہ مسلمان اس کی تیاریوں ہی کو دیکھ کر حوصلہ ہار دیں گے اور وطن واپس چلے جائیں گے، لیکن جیسے جیسے اس کا خیال غلط ہوتا جاتا تھا کی سرگرمیاں بڑھتی جاتی تھیں، دوسری طرف حضرت ابوعبیدہؓ دربارِ خلافت سے برمدد طلب کر رہے تھے، آخر حضرت ابوبکر کو طے کرنا پڑا کہ الحس وقت حضرت خالد بن کی ضرورت عراق سے زیادہ شام میں ہے، چنانچہ آپ نے حضرت خالدؓ کو لکھا وہ عراق میں کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے فوراً شام روانہ ہو جائیں اور ابو کے پاس پہونچ کر فوج کی اعلیٰ کمان اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

حضرت خالد شام میں

حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق حضرت خالد بن ولید مثنیٰ بن حارثؓ کو عراق میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے شام کیلئے روانہ ہو گئے، وہ بھی کیا زمانہ تھا، کہاں عراق اور کہاں شام حضرت خالد کے ساتھ صرف ساڑھے آٹھ سو مجاہدین تھے لیکن وہ راستے کی ہر رکاوٹ کو تلوار کی نوک سے ہٹاتے ہوئے شام پہونچ گئے، کوئی طاقت اس اسلامی سیلاب کو روک حدودِ شام میں داخل ہونے کے بعد حضرت خالدؓ کو بھی جابجا رومیوں کا مقابلہ کرنا پڑا، لیکن جو بھی سامنے آیا اسے اطاعت قبول کرنی پڑی،
شام کا مشہور شہر بُصریٰ حوران کا صدر مقام تھا، یہ وہی تاریخی شہر تھا

عیسائیوں کے سب سے بڑے راہب نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت سے پہلے ایک تاجر کی حیثیت سے دیکھا تھا، اور خبر دی تھی کہ آپ خدا کے آخری رسول ہوں گے، حضرت خالد بن ولیدؓ کے راستے میں یہ شہر بھی پڑا، یہاں مشہور رومی سپہ سالار در نجار پانچ ہزار فوج کے ساتھ شہر سے نکلا، حضرت خالدؓ کے ساتھ صرف ساڑھے آٹھ سو مسلمان تھے، چار سو مسلمان اور بھی پہونچ گئے رومیوں نے زور و شور کے ساتھ حملہ کیا، حضرت خالدؓ نے رومیوں کے ہجوم کے درمیان مسلمانوں کو للکارا، مسلمانو! تم پر خدا کی رحمت ہو، دشمنوں پر ٹوٹ پڑو، اگر تم صرف خدا کی خوشنودی کیلئے لڑو گے، تو یقین کرو، رومی تمہارے مقابلے میں ایک گھنٹہ بھی ٹھہر نہ سکیں گے، یہ کہہ کر حضرت خالدؓ نے حملہ کیا، ساتھ ہی مسلمان بھی ٹوٹ پڑے، رومی مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگے، اور قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے، آخر میں انھوں نے اطاعت قبول کر لی،

اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے حضرت خالدؓ شام کے مشہور شہر دمشق کے نواح میں پہونچ گئے، حضرت ابو عبیدہؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ بھی وہاں پہونچے، آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خط ملا کہ آپ کی جگہ حضرت خالد بن ولیدؓ سپہ سالار اعظم بنائے گئے ہیں، خط میں درج تھا کہ میں نے آپ کی جگہ خالد کو اس لئے سپہ سالار نہیں بنایا ہے کہ میرے نزدیک آپ ان سے مرتبہ میں کم ہیں، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ امور جنگ میں آپ سے زیادہ مہارت رکھتے ہیں، حضرت ابو عبیدہؓ بڑے ہی پاک دل صحابی تھے، انھوں نے حضرت خالدؓ اور حضرت ابو بکر دونوں کے حق میں دعائے خیر کی، اور بڑی خوش دلی سے حضرت خالد کی ماتحتی قبول کر لی،

دونوں بزرگوں نے دمشق کا محاصرہ شروع کیا، اسی حالت میں اطلاع ملی کہ رومیوں کا ایک لشکر اجنادین میں اترا ہے، اور ان کی مدد کیلئے مقامی باشندے جمع ہو رہے ہیں، یہ اطلاع پاکر دونوں بزرگ اجنادین کی طرف روانہ ہوئے، اور حضرت شرحبیل بن حسنہؓ اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ آپ کے پاس چلے آئیں، اسلامی فوج نے دمشق سے اجنادین کی طرف کوچ کیا تو حضرت خالدؓ آگے تھے، اور حضرت ابو عبیدہؓ دو سو مجاہدین کے ساتھ پیچھے پیچھے چل رہے تھے، اچانک دمشق کی رومی فوج نے حضرت ابو عبیدہؓ پر حملہ کر دیا، رومیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی پھر بھی حضرت ابو عبیدہؓ نے بڑی پامردی سے ان کا مقابلہ کیا، حضرت خالدؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ بھی اپنے رسالے کے ساتھ پہنچ گئے، رومی پیٹھ پھیر کر بھاگے،

فتح اَجنادِین

حضرت خالدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ اجنادین پہونچ کر رومیوں کے مقابلے میں خیمہ زن ہو گئے، حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کے بعد حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ بھی آگئے،

حضرت خالدؓ نے دوسرے روز صبح کو فوج کی ترتیب شروع کی، حضرت ابو عبیدہؓ کو قلب کا، حضرت معاذ بن جبل کو میمنہ کا اور حضرت سعید بن عامرؓ کو میسرہ کا، اور حضرت سعید بن زیدؓ کو رسالے کا افسر مقرر کیا،

اس ترتیب اور صف بندی کے بعد حضرت خالدؓ نے مجاہدین کی صفوں کے درمیان چکر لگا لگا کر انکو جوش دلانا اور ان کا حوصلہ بڑھانا شروع کیا، خواتین خیموں کے دروازوں پر کھڑی تھیں، سامنے سے کوئی مسلمان گذرتا تو ننھے ننھے بچوں کو آگے بڑھا کر کہتیں ــــ دیکھو! ان بچوں کا خیال کرنا، اپنی عورتوں کو بھول نہ جانا، اپنی

عزت بچانا، اللہ کا نام لے کر لڑو۔"

حملے سے پہلے حضرت خالدؓ نے ایک ایک قبیلہ اور ایک ایک صف کے سامنے جا کر یہ تقریر کی،

"اللہ کے بندو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو، خبردار پیٹھ نہ دکھانا، دشمنوں سے مرعوب ہونا، شیروں کی طرح حملہ کرنا، تم آزاد اور شریف ہو، تم نے دنیا طلبی سے انکار کیا ہے، تم خدا سے اجر پانے کے مستحق بن چکے ہو، دیکھو دشمن کی کثرت تمہیں خوفزدہ نہ کردے، خدا کی طرف سے ان پر نجاست اور سزا نازل ہونے والی ہے، ان پر خدا کا قہر آئے گا، خبردار، میرے حملہ کرتے ہی دشمنوں پر ٹوٹ پڑنا۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ نے مجاہدین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"مسلمانو! آج اپنی جانوں کو خدا کے ہاتھ بیچ ڈالو۔ اگر تم نے آج رومیوں کو شکست دیدی تو یہ ملک ہمیشہ کیلئے دار الاسلام بن جائے گا، اور تم خدا کی خوشنودی اور اجرِ عظیم حاصل کر لو گے۔"

حضرت خالد بن ولیدؓ ظہر تک صرف مدافعت پر اکتفا کرنا چاہتے تھے لیکن رومیوں نے مسلمانوں کے میمنہ اور میسرہ پر متواتر دو حملے کر دئے، اور مسلسل تیر برسا کر مسلمانوں کو برہم کر دیا، حضرت سعید بن زیدؓ نے جو حضرت عمرؓ کے چچیرے بھتیجے اور اصحاب عشرہ مبشرہ میں تھے جوش میں آکر حضرتِ خالدؓ سے کہا۔

"ہم کیوں ان غلاموں کے تیروں کا نشانہ بن رہے ہیں، تیروں کی بارش سے ہمارے گھوڑے بھڑک رہے ہیں۔"

آخر حضرت خالدؓ نے اپنے رسالے کو حملے کا حکم دیا، اور خود آگے بڑھ کر حملہ کیا۔ مجاہدین کے پہلے ہی حملے میں رومیوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں، اور ان کے قدم

اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا، اور قتلِ عام شروع کر دیا، مسلمان ان کی چھاؤنی پر قابض ہو گئے، بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا، تین ہزار رومی مارے گئے باقی بھاگ کر ایلیا، قیساریہ، حمص، اور دمشق وغیرہ میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، شنبہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ کو یہ جنگ ہوئی، حضرت خالد نے حضرت ابوبکر کو فتح کا خط لکھا، آپ نے خط پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

دمشق کا محاصرہ

اجنادین کی جنگ کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور تمام سپہ سالارانِ اسلام دمشق آئے اور چاروں طرف سے اسکا محاصرہ کر لیا گیا، حضرت خالد بن ولیدؓ نے شہر کے مشرقی دروازے سے ایک میل کے فاصلے پر ایک خانقاہ میں پڑاؤ ڈالا، جو آپکے قیام کی نسبت سے "دیرِ خالد" کے نام سے مشہور ہو گیا، حضرت ابوعبیدہ "باب الجابیہ" پر اترے، حضرت شرجیل بن حسنہ "باب الفرادیس" پر، حضرت عمرو بن العاص "باب توما" پر اور حضرت یزید بن ابی سفیان "باب کیسان" پر متعین ہوئے۔

محاصرے کے بعد مسلمانوں اور رومیوں میں چھوٹے چھوٹے مقابلے شروع ہو گئے ایک روز حضرت خالد فوج لے کر نکلے، اور یلغار کرتے ہوئے شہر پناہ تک پہنچ گئے، رومیوں نے شہر میں گھس کر پھاٹک بند کر لیا اور شہر پناہ کے اوپر سے پتھر برسانے لگے، لڑائی کا سلسلہ جاری تھا، اسی دوران میں ایک روز حضرت خالدؓ کو جاسوس نے خبر دی کہ ہرقل شاہِ روم نے ایک بڑی فوج دمشق والوں کی مدد کیلئے روانہ کی ہے، جو بالکل سر پر آپہنچی ہے، یہ سنکر حضرت خالدؓ نے طے کیا کہ رومی فوج سے دمشق کے باہر ہی مقابلہ کیا جائے، چنانچہ آپ نے اسباب اور عورتوں کو حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کے ساتھ محفوظ مقام میں بھیجدیا، اور خود حضرت ابو

کو لے کر رومی فوج کی طرف بڑھے،

اس فوج کا سپہ سالار "دریجار" تھا، جس کو حضرت خالدؓ بصریٰ میں شکست دے چکے تھے، اس کے ساتھ پانچ ہزار منتخب بہادرانِ روم تھے، اور راستہ میں بھی آدمی حمص وغیرہ کے اس کے ساتھ ہو گئے تھے، اس طرح اس کی فوج کی تعداد دس ہزار تک پہونچ گئی۔

حضرت خالدؓ نے دشمن کے قریب پہونچ کر فوج کی صف بندی کی، حضرت معاذ بن جبلؓ کو میمنہ کا، حضرت ہاشم بن عتبہؓ کو میسرہ کا، حضرت سعید بن زیدؓ کو رسالہ کا، اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو پیدل والوں کا سپہ سالار مقرر فرمایا۔

فوج کی ترتیب و صف بندی کے بعد حضرت خالدؓ نے چاہا کہ ایک ایک صف کے سامنے جاکر معائنہ کریں اور مجاہدینِ اسلام کو جوش دلائیں، لیکن ابھی آپ نے پہلی ہی صف کا معائنہ فرمایا تھا کہ رومیوں نے حضرت سعید بن زیدؓ پر حملہ کر دیا، حضرت سعید نے نہایت شجاعت و بہادری سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ آپؓ شہید ہو گئے، مجاہدین اسلام بھی ہر طرف سے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے رومیوں کے میمنہ پر حملہ کیا اور اسکو درہم برہم کر دیا، حضرت خالد میسرہ پر حملہ آور ہوئے، اور اس کے قدم اکھاڑ دئے، رسالہ نے حملہ کر کے رومیوں کو پوری شکست دیدی، مسلمانوں نے دشمنوں کا قتل عام کرنا شروع کر دیا، اور پورے لشکر کو لوٹ لیا، جو رومی مسلمانوں کی تیغِ قضا سے بچ گئے وہ بھاگ کر دمشق میں پناہ گزیں ہوئے، اور کچھ حمص اور انطاکیہ چلے گئے، اس جنگ میں پانچسو رومی بحالتِ مقابلہ کام آئے اور اتنے ہی تعاقب و فرار کی حالت میں قتل و گرفتار ہوئے، یہ جنگ "یوم مرج الصفر" کے نام سے موسوم ہے،

اختتامِ جنگ کے بعد بہادرانِ اسلام نے منظفر و منصور واپس آکر پھر دمشق کا محاصرہ کر لیا، اہلِ دمشق نہ اطاعت قبول کرتے تھے اور نہ ان کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے

کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ایک روز دمشق کے حاکم نے اپنے جاسوسوں سے مسلمانوں کی نیکی و دیانت، خدا پرستی، و شب بیداری کا حال دریافت کیا، حاکم نے کہا۔

"یہ لوگ رات کے راہب اور دن کے شیر ہیں، خدا کی قسم! میں نہ ان سے مقابلہ کر سکتا ہوں اور نہ ان سے جنگ کر کے کامیابی ممکن ہے۔"

چنانچہ اس نے صلح کی تحریک شروع کی، جو شرائط طے نہ ہونے کے باعث ناکام رہی محاصرہ بدستور جاری رہا، کہ دو شنبہ ۲۳ جمادی الآخر ۱۳ھ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ملال کی جانکاہ اطلاع موصول ہوئی۔

خلافت کے خورشیدِ اعظم کا غروب

صبح و شام اور روز و شب کی آمد و شد اس عالمِ حوادث و انقلاب کا ایک غیر مبدل قانون ہے، ہم پیچھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگر پاش اور دل خوں کن وفات کا نقشہ دیکھ چکے ہیں، اس حادثہ جانکاہ میں جس جلیل القدر ہستی نے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الخ سنا کر صحابۂ کرام کے طوفان رنج و غم کو فرو کیا تھا، اب قلم اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ خود اسی عظیم ہستی کی وفات کا دلگداز سانحہ ضبطِ تحریر میں لائے۔

بروز یکشنبہ، ۷ جمادی الآخر ۱۳ھ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غسل فرمایا۔ سردی کا زمانہ تھا بخار ہو گیا اور بخار موت کا مقدمہ ثابت ہوا، جو بھی علاج کیا گیا بے اثر رہا اگر کوئی پوچھتا، آپ نے طبیب کو دکھایا؟ فرماتے۔ ہاں! اس نے مجھ کو دیکھا ہے، پوچھا کیا کہا۔؟ فرماتے۔ کہتا ہے اَفْعَلُ مَا اَشَاءُ۔ میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، اشارہ مشیتِ الٰہی کی جانب ہوتا، بیماری کا اصل سبب بعض زہر بتلاتے ہیں جو ایک یہودی نے کھانے میں دے دیا تھا، اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ یہ وفاتِ نبوی کا غم

تھا۔ بالآخر موت کا باعث ہوا، حضرت عثمان ذی النورین آپ کے ہمسایہ تھے، اس لئے تیمارداری کی خصوصی سعادت انھیں کے حصے میں آئی۔

حضرت خلیفہ رسولؐ کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کے سفینہ کی ناخدائی کا کیا انتظام ہو، اگر اس معاملے کو غیر منفصل چھوڑ دیا جائے تو باہمی اختلاف کا خطرہ تھا، اگر نامزد کیا جائے تو کسے کیا جائے، اگرچہ آپ کے نزدیک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ اس منصب کا کوئی اہل نہ تھا پھر بھی صحابہ کرامؓ کی رائے دریافت کئے بغیر اتنے اہم مسئلے کا فیصلہ آپ کے نزدیک صحیح نہ تھا، اس لئے آپ نے اکابر وزعماء سے رائے لینی شروع کی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک ممتاز صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے حضرت ابوبکرؓ نے ان کی رائے دریافت فرمائی تو انھوں نے حضرت عمرؓ کی قابلیت کا اعتراف کیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان کے مزاج میں سختی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "ان کی سختی میری نرمی کی وجہ سے ہے، خلافت کی ذمہ داری کا بار ان کو نرم کر دے گا!"

حضرت عثمانؓ کا جواب یہ تھا۔ کہ "عمرؓ کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے۔ ان کے پائے کا ہم میں کوئی نہیں"

حضرت اسید بن حضیرؓ قدیم الاسلام انصاری اور قبیلے کے سرداروں میں سے تھے، ان کی رائے یہ تھی۔ "میرے نزدیک عمرؓ آپ کے بعد بہترین انسان ہیں، وہ خوش ہونے کی باتوں پر خوش ہوتے ہیں۔ اور ناراض ہونے کی باتوں پر ناراض ہوتے ہیں۔ ان سے زیادہ قوی اور مضبوط مستحق خلافت کوئی نہیں ہے!"

حضرت سعید بن زیدؓ اور دوسرے اکابر مہاجر و انصار صحابہ نے حضرت عمرؓ کے حق میں رائے دی، ایک حضرت طلحہؓ بن عبداللہ کی رائے سب سے مختلف تھی، انھوں

نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آکر کہا۔ آپ کو معلوم ہے عمرؓ کے مزاج میں کس قدر تشدد اور سختی ہے، پھر بھی آپ ان کو اپنا جانشین مقرر فرما رہے ہیں۔ کل آپ کا پروردگار باز پرس کرے گا تو آپ کیا جواب دیجئے گا؟

حضرت صدیقؓ کو اکابر و اعاظم کی عام رائے معلوم ہو چکی تھی۔ آپ نے طیش کی حالت میں فرمایا "ذرا مجھے بیٹھا دو۔" لوگوں نے بیٹھا دیا تو فرمایا۔ تم مجھ کو میرے پروردگار سے ڈراتے ہو؟ اس سے ملوں گا اور وہ مجھ سے پوچھے گا تو جواب دونگا کہ خدایا! میں نے تیرے بندوں پر ایک بہترین بندہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔"

کتنا اخلاص و اعتماد تھا حضرت ابوبکرؓ کے جواب میں! اور یہ انتخاب کتنا مبارک ثابت ہوا، خدا اس کو کیوں نہ بابرکت بناتا؟ یہ اس کے پسندیدہ بندوں کا انتخاب تھا۔

اس انتخاب کو آئینی شکل دینے کیلئے خلیفہ رسولؐ نے حضرت عثمانؓ سے ایک اعلان لکھوایا اور حکم دیا کہ لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان سنا دو، لوگ جمع ہوئے اور فرمان سنایا گیا، اور سب نے اسے قبول کیا، اس کے بعد خود حضرت ابوبکرؓ بالاخانہ پر نمودار ہوئے اور یوں خطاب فرمایا "لوگو! میں نے جس شخص کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے وہ کوئی میرا عزیز اور رشتہ دار نہیں ہے۔ بلکہ وہ عمرؓ ہیں۔ کیا تم ان کو قبول کرتے ہو؟ حاضرین نے یک زبان ہو کر سمعنا و اطعنا کی صدا بلند کی،

حضرت عمرؓ کو وصیت

اس مرحلے سے فارغ ہو کر حضرت خلیفہ رسولؐ نے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کو مخاطب کر کے ایک طویل تقریر فرمائی۔ جو اپنی جامعیت اور افادیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ فرمایا۔

عمرؓ! ـــــ اللہ کا جو حق رات سے متعلق ہے وہ اس کو دن میں قبول نہیں کرتا، اور جو حق دن سے متعلق ہے اس کو رات میں قبول نہیں کرتا، ہر عمل کا اس کے

وقت کے ساتھ بجالانا ضروری ہے، اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک نفل قبول نہیں کرتا جب تک تم فرض ادا نہ کرو۔ عمر! کیا تم غور نہیں کرتے کہ (دنیا میں دراصل) انہیں کا پلۂ میزان بھاری ہے جن کا پلۂ میزان اتباعِ حق کی وجہ سے آخرت میں وزنی ہوگا، اور یہ حقیقت ہے کہ کل قیامت کے روز وہی پلۂ میزان وزنی ہوگا جس میں حق ہوگا، پھر اے عمر! کیا تم نہیں سمجھتے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کا پلۂ میزان بھی ہلکا ہوگا وہ ان کے اتباعِ باطل کی وجہ سے ہوگا، اور حقیقت یہ ہے کہ جس پلۂ میزان میں باطل کے سوا کچھ نہ ہو اسے ہلکا ہونا ہی چاہیئے۔ اے عمر! کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں آسانی کے ساتھ سختی کی نشانی بھی اتری ہے اور سختی کے ساتھ آسانی کی نشانی، تاکہ مومن اللہ سے ڈرتے بھی اور اس سے امید بھی رکھے، مگر کسی کو ایسے مطلوب کی تمنا نہ رکھنی چاہیئے جس کا اللہ کے نزدیک وہ مستحق نہ ہو، اور اسی طرح اسے کسی ایسی برائی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں جس میں اس نے اپنے کو خود ہی نہ ڈال دیا ہو،

اے عمر! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جہاں بھی دوزخیوں کا ذکر کیا ہے ان کی بداعمالی کیساتھ ذکر کیا ہے، اس لئے تم جب ان کا ذکر کروگے تو کہوگے مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے نہ ہونگا، اسی طرح اللہ نے جہاں اہلِ جنت کا ذکر کیا ہے ان کی نیک عملی کے ساتھ کیا ہے۔ اس لئے کہ ان سے جو بداعمالی سرزد ہونگی (ان کی نیک عملی کی وجہ سے) اس سے درگذر فرمائے گا، پس جب تم ان کو یاد کروگے تو کہوگے۔ میرے اعمال ان کے سے کہاں؟ اگر تم نے میری وصیت کو یاد رکھا تو تمہارے نزدیک موت سے زیادہ کوئی غائب کسی حاضر سے زیادہ عزیز نہ ہوگا۔ اور موت آکر رہے گی) تم ایسے نہیں کہ موت کو عاجز کردو۔ (صدیق اکبرؓ بحوالہ ابن اثیر)

حقوق کی رعایت | حضرت صدیقِ اکبرؓ کو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت عائشہ

صدیقہؓ بہت عزیز تھیں، اس لئے ان کو ایک جاگیر دے دی تھی، چونکہ اس میں دوسری اولاد کا بھی حق تھا اس لیے حضرت صدیقہؓ کو بلا کر کہا۔ بیٹی! فراخی اور تنگی دونوں حالتوں میں تم مجھ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں، میں نے تم کو جو جاگیر دی تھی کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو بھی شریک کر سکتی ہو؟

حضرت صدیقہؓ نے اسے بخوشی قبول کر لیا۔

خلیفہ رسولؓ نے دریافت فرمایا کہ عہدِ خلافت میں بیت المال سے مجھ کو کل کتنا وظیفہ ملا؟ حساب کر کے بتایا گیا کہ چھ ہزار درہم، یعنی ہندوستانی سکہ کے حساب سے ڈیڑھ ہزار روپئے کے قریب، فرمایا۔ میری فلاں جاگیر فروخت کر کے یہ رقم بیت المال کو واپس کر دی جائے۔

پھر دریافت فرمایا۔ خلافت کے دوران میں میرے مال میں کتنا اضافہ ہوا؟ بتایا گیا کہ صرف ایک حبشی غلام جو بچے کھلاتا ہے اور مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے ایک اونٹنی جس پر پانی لایا جاتا ہے۔ ایک چادر تقریباً سوا روپئے قیمت کی، ارشاد ہوا میرے انتقال کے بعد یہ تینوں چیزیں خلیفہ کے پاس بھیج دی جائیں۔

آپ کے بعد یہ چیزیں حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہونچیں تو بے اختیار رو پڑے بولے۔ "ابوبکر! تم نے اپنے جانشینوں کے کام کو بڑا دشوار کر دیا"۔

غیر مسلم دنیا کو بلاؤ۔ اور پوچھو، اس نے تاریخ میں کوئی ایسا حکمراں پیدا کیا؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ مسلمانوں کے معاملات سے فارغ ہو چکے تو اپنے گھر کے منتظم معیقیب کو بلا کر پوچھا تم میرے گھر کے منتظم تھے، میرا تمہارا حساب کتاب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ میرے پچیس درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں، میں نے ان کو معاف کیا۔ فرمایا۔ "خاموش نہ ہو۔ میرا سامانِ آخرت قرض سے تیار نہ کرو"۔

یہ سن کر معیقیب رو پڑے، خلیفۂ رسولؓ نے فرمایا "معیقیب! رونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں، صبر سے کام لو، مجھے امید ہے کہ میں ایسی جگہ جا رہا ہوں جو میرے لئے اس دنیا سے اچھی اور زیادہ پائدار ہے"۔

اس کے بعد حضرت عائشہؓ کو طلب کر کے ہدایت فرمائی کہ معیقیب کو ۲۵ درہم دے دیے جائیں،

خلیفۂ رسولؐ کا کفن

خلیفۂ رسولؓ کی شان و شوکت تو دیکھ چکے ہو۔ سوا دو برس کی مدت میں پورے عرب سے ارتداد و بغاوت کا استیصال کر دیا۔ اور ان مسلمانوں کو جو کل ہی مظلوم اور ستم رسیدہ تھے قیصر و کسریٰ کی عظمتوں سے ٹکرا دیا پھر تم نے ابھی یہ بھی دیکھا کہ اس نے اپنے دامن سے دنیا کے ایک ایک غبار کو کس طرح جھاڑ کر صاف کر دیا، اب یہ بھی دیکھو کہ وہ کس کفن میں اپنے رب اور اس برگزیدہ آقا کی خدمت میں حاضر ہونے جا رہا ہے جس کا وہ خلیفہ تھا،

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بلا کر پوچھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفنایا گیا تھا؟ بولیں۔ تین کپڑوں میں۔ خلیفۂ رسولؐ کے جسم مبارک پر دو پھٹے پرانے کپڑے تھے، فرمایا۔ تو یہ دو کپڑے موجود ہیں۔ بس تیسرا بازار سے منگا لینا۔

باپ کی چہیتی بیٹی نے عرض کیا۔ بابا جان! ہم تینوں کپڑے نئے خرید سکتے ہیں فرمایا۔ "جان پدر! نئے کپڑوں کے مستحق مُردوں سے زیادہ زندے ہیں، لہو اور پیپ کیلئے یہی کپڑے ٹھیک ہیں"

کفن اور غسل کی وصیت کے بعد دریافت فرمایا۔ آج کون سا دن ہے؟ بتایا گیا۔ دوشنبہ! پھر پوچھا۔ اللہ کے رسول کی وفات کس روز ہوئی تھی؟ عرض کیا گیا۔ دوشنبہ کو۔ فرمایا تو امید ہے میری وفات بھی آج ہی ہوگی۔

قبر کی نسبت وصیت فرمائی کہ پہلوئے رسولؐ میں تیار کی جائے۔ آخر مقررہ ساعت آگئی، رَبِّ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کہتے ہوئے خلیفہ رسولؐ اپنے آقاؐ سے جا ملے، اب وہ انھیں کے پہلو میں اس طرح ابدی نیند سو رہے ہیں کہ سر مبارک آقا کے شانۂ اقدس کے برابر ہے، اور پائے مبارک آقا کے مقدس قدموں کے نیچے، جو ادب زندگی میں ملحوظ تھا، وہ بعد موت بھی ملحوظ ہے،

مغرب و عشا کے درمیان وفات ہوئی، اسی وقت آخری رسم ادا کی گئی، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد الرحمٰنؓ کی مدد سے غسل دیا، حضرت عمر فاروقؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ قبر مبارک میں اترے، اس طرح خلافت کا یہ خورشید اعظم زمین میں دفن کر دیا گیا مگر اس کی تابانیاں رہتی دنیا تک اس عالم آب و گل کو منور اور ضیاپوش رکھیں گی،

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آج پھر مدینہ سوگوار تھا، مدینہ ہی نہیں سارا عرب و عجم وقت کے سب سے بڑے انسان سے انسانیت کے محروم ہو جانے پر غمزدہ اور اندوہ گیں تھا،

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ شفیق و محترم باپ کے سایہ سے محروم ہو جانے کا کسے غم ہو سکتا تھا؟ مگر بڑی صابر خاتون تھیں، رسول پاکؐ کی زوجہ محترمہ جو تھیں، والد محترم کی روحِ مبارک کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔ ابا جان! اللہ تعالیٰ آپ کو سرسبز و شاداب رکھے، اور آپ کی مساعی کی بہترین جزا عطا فرمائے، آپ نے دنیا سے رخ پھیرا تو اسے ذلیل کر کے چھوڑا۔ اور آخرت کا رخ کیا تو اس کو عزت بخش دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی وفات سب سے

بڑا حادثہ ہے، لیکن اللہ کی کتاب ہم کو صبر کا حکم دیتی ہے، اور آپ کی وفات کا صبر ہی سب سے بہتر اجر ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے صبر کا بدلہ دیکر اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔

ابا جان: اپنی اس سوگوار بیٹی کا آخری سلام قبول کیجئے، جس نے آپ کی زندگی میں آپ سے کبھی پرخاش نہیں کی، اور آپ کی موت پر جزع و فزع نہیں کر رہی ہے"

یہ گھرانا ہی تعلیم و ہدایت کے آفتابوں کا گہوارہ تھا، بنتِ صدیق مسلمانوں کو کتنا اہم سبق دے گئیں ہیں۔!

حضرت عمر فاروق اس بار سے دبے ہوئے تھے جو صدیق اکبر کی وفات سے ان پر آپڑا تھا، انھوں نے جس سنجیدہ اور اہم انداز میں اپنی عقیدت پیش کی وہ ان کے شایانِ شان تھی، کہا۔ اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ نے دنیا سے رخصت ہو کر امت کو بڑی سخت محنت و مشقت میں ڈال دیا۔ آپ کا سا ہونا تو دور رہا اب تو کوئی ایسا بھی نہیں جو آپ کی گرد کو بھی پہنچ سکے۔"

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ہوئی تو اناللہ وانا الیہ راجعون ط پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے، اور جس مکان میں نعشِ مبارک تھی اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر ایک بسیط تقریر کی، جیسے بادلوں کا بند اچانک ٹوٹ پڑا ہو۔ اور پھر ایسے اخلاص میں ڈوبی ہوئی۔ کہ تقریر کیا تھی سیرتِ صدیقی کا ایک مکمل اور ایمان افروز مرقع، آپ نے فرمایا۔۔۔

"اے ابوبکر! آپ کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ محبوب تھے، ان کے سب سے زیادہ مونس تھے، ان کیلئے موجبِ راحت ہمدم جلیس، محرمِ راز، اور مشیر۔ آپ اسلام میں سب سے اول، ایمان میں سب سے مخلص، یقین میں سب سے زیادہ شدید، اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے، اللہ کے دین کیلئے سب سے

عظیم شدائد برداشت کرنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش، اسلام پر سب سے زیادہ مہربان، صحابہ کیلئے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں سب سے زیادہ اچھے، مناقب میں سب سے زیادہ، فضیلت میں سب سے بڑھے ہوئے درجہ میں سب سے زیادہ بلند، وسیلہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) زیادہ قریب، باعتبارِ طور و طریق اور شفقت و بزرگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ، اور آنحضور کے نزدیک منزلت میں سب سے زیادہ اشرف اور مرتبہ میں سب سے اکرم اور سب سے زیادہ معتمد علیہ!

پس اللہ تعالیٰ اسلام اور اپنے رسول کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آپ آنحضورؐ کے نزدیک کان اور آنکھ کا درجہ رکھتے تھے، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی اس حالت میں تصدیق فرمائی کہ لوگ حضورؐ کو جھٹلا رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے کلام میں صدیق کے لقب سے نوازا، چنانچہ فرمایا ہے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اس کلامِ ربانی میں وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد ابوبکر ہیں، آپ نے اس وقت آنحضورؐ کے ساتھ حقِ غم خواری ادا کیا جب لوگوں نے تنگدلی سے کام لیا، اور اس ناسازگار حالت میں آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے جب لوگ آپ کو چھوڑ بیٹھے تھے، آپ نے سختی کی حالت میں حقِ صحبت ادا کیا۔ اور بہترین حق صحبت آپ آنحضورؐ کے غار کے ساتھی اور دو میں سے دوسرے ہیں، آپ وہ ہیں کہ آپ پر خدا کی طرف سے سکون نازل ہوا، آپ آنحضورؐ کے رفیقِ ہجرت اور اللہ کے دین اور امت پر آپ آنحضورؐ کے خلیفہ تھے، آپ اس حالت میں بھی بہترین خلیفہ ثابت ہوئے جب لوگ دین سے مرتد ہو گئے تھے، آپ اس حالت میں بھی اپنے موقف

قائم رہے جیسی حالت میں کسی بھی نبی کا خلیفہ قائم نہیں رہ سکتا، چنانچہ آپ نے اس وقت مستعدی سے کام لیا، جب آپ کے ساتھی سست پڑ گئے تھے، اور آپ اس وقت جنگ کیلئے نکلے جب لوگ درماندہ ہو گئے تھے، اور آپ اس وقت قوی ثابت ہوئے، جب لوگ کمزور ہو گئے تھے۔ اور آپ اس وقت بھی رسول اللہ صلعم کے طریقے پر قائم رہے، جب لوگ پست ہو گئے تھے آپ بلا نزاع و تفرقہ خلیفہ برحق تھے، اگرچہ اس پر منافقوں کو غصہ، کافروں کو رنج، حاسدوں کو ناگواری اور باغیوں کو غیظ تھا آپ امر حق پر قائم رہے، جب لوگ بزدل ہو گئے تھے، اور آپ ثابت قدم رہے جب لوگ متزلزل ہو گئے تھے، اور آپ اس حالت میں اللہ کے نور کو لے کر چلتے رہے جب لوگ ٹھٹھک گئے تھے، آخر کار لوگوں نے اسی وقت راہ پائی جب آپ کی اتباع کی، آپ صحابہ میں سب سے پست آواز تھے لیکن آپ کا مرتبہ سب سے بلند تھا، اور کلام کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ معیاری تھے، اور گفتگو کے اعتبار سے سب سے زیادہ صائب ۔۔ آپ کی خاموشی سب سے زیادہ طویل تھی، اور بات سب سے زیادہ بلیغ، شجاعت میں آپ سب سے زیادہ بڑھے ہوئے، معاملات کو سب سے زیادہ سمجھنے والے، اور عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ بزرگ، خدا کی قسم! آپ دین کے سردار تھے، جب دوسرے لوگ دین میں پیچھے تھے تو آپ سب سے آگے تھے، اور جب لوگ آگے بڑھے تو آپ ان کے پیچھے ہو گئے، (کہ لوگ خود آگے چلیں) آپ مسلمانوں کے لئے باپ کی طرح مہربان تھے، یہاں تک کہ وہ آپ کیلئے اولاد کی طرح ہو گئے مسلمان اپنی کمزوری کے سبب جن بوجھوں کو اٹھا نہ سکے آپ نے انھیں اٹھا لیا، جس چیز کو انھوں نے چھوڑ دیا تھا، آپ نے اسکی رغبت دلائی، جو چیز انھوں

نے گنوا دی تھی آپ نے اس کو بچا لیا، جن باتوں سے وہ بے خبر تھے آپ نے ان کو بتائی جس معاملے میں وہ عاجز اور پست ہو گئے آپ نے اس میں ہمت و شجاعت کا ثبوت دیا، جس وقت وہ گھبرا گئے آپ نے صبر و ثابت قدمی سے کام لیا، انھوں نے جب پکارا آپ ان کی مدد کو پہونچے نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی ہدایت کیلئے آپ کی رائے کی طرف رجوع کیا، اور کامیابی پائی اور آپ کی بدولت انھیں وہ چیزیں حاصل ہوئیں جن کا انہیں گمان بھی نہ تھا، آپ کافروں کے حق میں عذاب کی بارش اور آگ کا شعلہ تھے مسلمانوں کیلئے مہربانی، اُنس اور پناہ تھے بخدا آپ نے اوصاف و کمالات کی فضا میں پرواز کی، ان کے عطیہ سے سرفراز ہوئے، ان کی خوبیاں لے لیں، اور ان کا بہترین حصہ حاصل کر لیا، آپ کی دلیل کو کبھی شکست نہیں ہوئی، آپ کی بصیرت کبھی کمزور ثابت نہیں ہوئی، آپ کی طبیعت کبھی بزدلی سے آشنا نہیں ہوئی، آپ کے دل میں کبھی کجی پیدا نہ ہوئی اور نہ وہ مضمحل ہوا، آپ اس چراغ کی طرح تھے جس کی لو کو آندھیاں بھی ہلا نہیں سکتی تھیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی رفاقت اور مالی امداد دونوں کے اعتبار سے ہم پر سب سے زیادہ احسان فرمانے والے تھے، نیز جیسا کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔ آپ جسمانی اعتبار سے تو کمزور لیکن خدا کے معاملے میں طاقتور تھے، اپنے طور پر متواضع تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحب عظمت تھے، لوگوں کی نظروں میں بزرگ تھے، اور ان کے دلوں میں آپ کی بڑائی تھی، آپ کی ذات کے معاملے میں کوئی شخص شک اور دھوکے میں مبتلا نہ تھا، نہ کسی کو آپ کے متعلق حرف گیری کی مجال تھی، نہ کسی کو آپ کی ذات میں کوئی لالچ تھا، نہ کسی مخلوق کیلئے آپ کے یہاں بیجا رعایت تھی، کمزور اور ذلیل آدمی بھی آپ کے نزدیک قوی اور غالب تھا جب تک آپ اسے اس کا حق نہ دلا دیتے، اور طاقتور

آدمی بھی آپ کے نزدیک کمزور اور ذلیل تھا جب تک کہ آپ اس سے حق وصول نہ کر لیتے قریب کا آدمی اور دور کا آدمی دونوں آپ کے نزدیک یکساں تھے جو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مطیع اور اس سے سب سے زیادہ ڈرنے والا تھا وہی آپ کا سب سے مقرب تھا، آپ کی شان حق، صدق اور نرمی تھی، آپ کا قول فیصلہ کن، اور قطعی تھا، آپ کا معاملہ بردباری اور احتیاط تھا، آپ کی رائے علم اور عزم پر مبنی ہوتی تھی، آپ نے فتنوں کا قلع قمع کر دیا، جس سے راستہ ہموار ہوگیا اور مشکل حل ہوگئی، آپ نے (بغاوتوں کی) آگ بجھا دی، آپ کے ذریعہ دین اعتدال پر آگیا، آپ کی بدولت ایمان کو قوت حاصل ہوئی، اور اسلام اور مسلمانوں کو مضبوطی ملی، اللہ کا دین غالب ہوگیا، اگرچہ کافروں کو یہ بات نہایت شاق گذری، پس بخدا آپ نے سخت پیش قدمی کی، اور اپنے بعد والوں کو نہایت دشواری اور مشقت میں ڈال گئے بھلائی کو آپ نے شاندار کامیابی عطا فرمائی، آپ اس بات سے بالاتر ہیں کہ آپ پر گریہ و بکا کیا جائے آپ کا مرتبہ تو آسمانوں کی بلندی میں بڑھتا جا رہا ہے، آپ کی وفات کی مصیبت مخلوق میں ظاہر ہو رہی ہے، ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ جانیوالے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہیں، اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی وفات جیسی کوئی افتاد مسلمانوں پر کبھی نازل نہ ہوگی، آپ دین کی عزت، اس کیلئے جائے پناہ، اور حفاظت گاہ تھے، مسلمانوں کیلئے پوری ایک جماعت تھے، ایک قلعہ تھے، ان کے دادرس تھے، منافقوں پر نہایت سخت اور غضب ناک تھے، پس اللہ تعالیٰ آپکو آپکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملائے، اور ہمیں آپ کے اجر سے محروم اور آپکے بعد گمراہ نہ کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

حضرت علیؓ جب تک یہ تقریر کرتے رہے حاضرین خاموش بیٹھے رہے لیکن تقریر کے ختم ہوتے ہی سب لوگ بے اختیار اسطرح رو پڑے کہ چیخیں نکل گئیں اور سب نے کہا: "ہاں بیشک اے رسول خدا کے داماد!

آپ نے بالکل سچ فرمایا" (صدیقِ اکبر)

فضائل وکمالات

موجودہ زمانے کے مطابق علم وفضل کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں حضرت ابوبکرؓ کو دخل حاصل نہ ہو، نسب دانی، تقریر وتحریر، شعر وسخن، تعبیر رؤیا ہبھی میں آپ کو درک وکمال حاصل تھا، ان علوم کے علاوہ آپ کتاب وسنت کے خصوصی ماہر تھے، اور کیوں نہ ہوتے؟ آغازِ نبوت سے لیکر وفاتِ نبوی تک اسلام کی تبلیغ واشاعت، تعلیم وتربیت، سفر وحضر، امن وجنگ میں خدمتِ نبوی سے بہرہ ور اور فیضیاب رہے، آپ سے زیادہ قرآن وحدیث کا عالم وماہر کون ہو سکتا تھا؟ آپ کے سوانح حیات میں متعدد ایسے واقعات موجود ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کوئی آیت سنی اور جس مفہوم ومراد کا صحابہ کرامؓ کو تصور بھی نہ گذرا تھا، آپ کا ذہن اس کے صحیح مفہوم ومراد تک پہونچ گیا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام آپ کے متعلق کہا کرتے تھے اَبُوبَکرٍ اَعلَمُنَا بِرَسُولِ اللّٰہِ ہم میں علومِ نبوت کو سب سے زیادہ جاننے والے ابوبکر ہیں، میراث کے سلسلے میں قرآن مجید میں "کلالہ" کا لفظ آیا ہے، اس کی مراد کے تعین میں صحابہ کے درمیان اختلاف تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اپنے علم کے مطابق اسکی مراد متعین کر دی تھی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں ان سے لفظِ "کلالہ" کی مراد دریافت کی گئی تو آپ نے جواب دیا۔ مجھ کو اس بات میں خدا سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ ابوبکرؓ نے جو بات کہی ہے میں اس کو رد کردوں، قرآن مجید کی کتنی آیتیں تو ایسی ہیں جن کا تعلق خاص طور پر حضرت ابوبکر سے ہے اور وہ آیتیں تو بکثرت ہیں جن میں عام صحابہؓ کے ساتھ آپ شامل ہیں۔ پھر آپ سے زیادہ قرآنی علوم کا ماہر کون ہو سکتا تھا؟ جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں زندگی کا کون مرحلہ تھا جس میں حضرت ابوبکر کو آنحضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی صحبت و معیت کا شرف حاصل نہیں تھا، یہاں تک کہ حضور کے قدیم از دار دوست اور پھر بعد میں خسر اور دامادی کے رشتے کے تعلق سے حرمِ نبوت تک میں آپ کی سب سے زیادہ آمد و رفت تھی، اس لئے آپ کو سنتِ نبوی کا سب سے زیادہ عالم اور نکتہ داں ہونا ہی چاہیئے تھا، اسی کے ساتھ آپ سے زیادہ اس کا احساس کس کو ہو سکتا تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جو واقعی حضور کا ارشاد یا حضور کا منشاء نہ ہو، اس بنا پر آپ احادیث کی روایت کرنے میں سخت محتاط تھے اور روایتِ حدیث کے بارے میں دوسروں کے بارے میں بھی نہایت فکرمند رہا کرتے تھے چنانچہ آپ نے ایکبار صحابہ کرام کو جمع کر کے فرمایا۔ "کہ تم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کرتے ہو، اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو، پس جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارے بعد آنے والے تو تم سے زیادہ اختلاف کریں گے، اس لئے تم بے ضرورت رسول اللہ سے روایتیں نقل نہ کیا کرو۔ البتہ جب لوگ تم سے دریافت کریں اس وقت حسبِ ضرورت ضرور بتا دیا کرو، تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے، اس میں جو حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو حرام ہے اسے حرام!"

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے پانچ سو احادیث جمع کی تھیں، ایک رات میں نے دیکھا کہ آپ بہت مضطرب اور بے چین ہیں، صبح ہوتے ہی اس ذخیرے کو جلا دیا، وجہ پوچھی گئی تو بتایا کہ مجھ کو اندیشہ تھا کہ میں اس ذخیرۂ احادیث کو چھوڑ کر مر جاؤں اور اس میں کچھ ایسی حدیثیں ہوں جن کو میں نے ایسے شخص سے لیا ہو جو میرے نزدیک معتبر اور ایماندار تھا لیکن درحقیقت وہ حدیث ایسی نہ تھی جیسی اس نے مجھ سے بیان کی تھی، ایسی صورت میں اس حدیث کی روایت کی ذمہ داری میرے سر ہو گی صاحب صدیق اکبر کہتے ہیں کہ اگرچہ حافظ ذہبی نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے لیکن

حضرت ابوبکر کا جو مزاج اور نقطۂ نظر تھا، اس کے لحاظ سے اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو درایت کے خلاف ہو، (صدیق اکبر)

اس کے باوجود آپ نے بضرورت حدیثیں روایت فرمائی ہیں اور وہ کتب احادیث میں موجود ہیں

اصول فیصلہ و عمل

دینی و ملی امور و مسائل ہوں یا مسلمانوں کے معاملات و مقدمات حضرت ابوبکر سب کے طے کرنے میں اس اصول سے کام لیتے تھے کہ پہلے قرآن مجید پر نظر ڈالتے تھے اور اس میں جو حکم پاتے اس کے مطابق فیصلہ اور عمل فرماتے جب اس میں کوئی واضح حکم و ہدایت نہ پاتے تو سنت نبوی کی طرف توجہ کرتے اور وہاں سے جو حکم و ہدایت پاتے اس کے مطابق فیصلہ و عمل فرماتے، اور جب وہاں سے بھی کوئی واضح ہدایت نہ ملتی تو اہل علم صحابہ کو بلا کر ان کے سامنے معاملہ پیش کرتے، اگر کسی کو حضور کا کوئی حکم معلوم ہوتا تو اس کو سن کر خدا کا شکر ادا کرتے کہ ہمارے اندر جاننے والے موجود ہیں ورنہ پھر سب کی رائے سے فیصلہ فرماتے اور راہ عمل متعین کرتے،

اتنی وضاحت کے بعد یہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ علم فقہ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس فن میں حضرت صدیق اکبر کا مرتبہ کتنا بلند ہوگا۔

دینی و ملی خدمات

حضرت ابوبکر نے خلافت کے نظم و نسق کے سلسلے میں جو بنیادی شعبے قائم فرمائے ان کے بیان کیلئے ایک دفتر چاہیئے، آپ نے خالص دینی نقطۂ نظر سے اسلام کی جو خدمتیں انجام دیں ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات قرآن مجید کی تدوین ہے، یوں تو صحابۂ کرام میں قرآن مجید کے حفاظ کی خاصی ایک تعداد تھی مسیلمہ کذاب کے مقابلے میں جو مجاہدین اسلام شہید ہوئے ان میں حفاظ قرآن کی تعداد چھ سو بتائی جاتی ہے، لیکن ایک مرتب صحیفے کی شکل میں قرآن مجید موجود نہ تھا، حضرت عمر نے اسکی تحریک کی اور بعد ازاں حضرت ابوبکر کے حکم سے ایک صحیفہ

کی شکل میں مرتب کیا گیا،

اشاعتِ اسلام دین کا ایک بنیادی مقصد ہے، اگرچہ حضرت صدیق اکبرؓ پر خلافت کا بار پڑتے ہی ارتداد و بغاوت کا فتنہ کھڑا ہو گیا، جیشِ اسامہ کے ذریعے جہادِ روم کا آغاز ہو چکا تھا، پھر جہادِ فارس کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا، اسی انہماک و مصروفیت کی حالت میں حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات پائی، بایں ہمہ اسی سلسلۂ جنگ و جہاد میں اسلام کی اشاعت بھی ہوتی رہی، کیونکہ سپہ سالارانِ اسلام کو دوسری ہدایتوں کے ساتھ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ہدایت بھی تھی، اسی لئے عہدِ صدیقی میں عراقیوں مجوسیوں، اور شامی نصرانیوں کی بھی ایک بڑی تعداد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی،

آپ اندرونی طور پر صحابۂ کرام کی جو مسلسل تعلیم و تربیت فرماتے رہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہ اور ممتاز سپہ سالاروں کو جہاد پر روانہ فرماتے تو ان کے سامنے طویل طویل تقریریں کرتے اور اسلامی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو بڑے ہی موثر اور زبردست انداز میں ان کے سامنے پیش کرتے، ان میں سب سے زیادہ زور تقویٰ اور پرہیزگاری پر دیتے جو اسلام کی جان ہے، ہم جس تقریر پر بھی نظر ڈالتے ہیں ہم کو ملتا ہے اوصیکم بتقوی اللہ! تقریریں یہ فقرہ گویا آپ کا تکیۂ کلام تھا، آپ کے عہدِ خلافت میں صحابۂ کرام جنگ و جہاد اور فتوحات کی حالت میں تقویٰ اور اخلاق کے جس بلند مرتبہ پر فائز نظر آتے ہیں اس میں بڑا حصہ حضرت صدیق کی اسی تعلیم و تربیت کا تھا،

ویسے تو آپ بڑے بردبار اور منکسر مزاج تھے لیکن جب موقع آجاتا تو کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی خاطر میں نہ لاتے، اور اسکی لغزش اور غلطی پر سخت سرزنش فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے عہدِ خلافت میں خیر کے سوا شر کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

مقامِ صدیقیت کی بلندی

حضرت ابوبکرؓ کا لقب "صدیق" مشہورِ عام ہے لیکن صدیقیت کی حقیقت کیا ہے؟ اسکی حضرت مجدد الف ثانی امام احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح و تشریح فرمائی ہے، حضرت امامؒ کے نزدیک سلوک و معرفت کے متعدد مدارج ہیں مثلاً ولایت و شہادت وغیرہ، لیکن ان میں سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت کا ہے۔ صدیقیت کے اوپر نبوت کے سوا کوئی درجہ نہیں، آپنے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے حوالے سے بتایا ہے کہ علوم و معارف کا علم اگر نظری و استدلالی ہو تو وہ علومِ شریعت ہیں اور اگر ان کا علم کشفی و بدیہی ہو تو وہ علوم سلوک و معرفت ہیں، اس طرح سلوک اور شریعت میں جو فرق ہے وہ صرف اجمال و تفصیل کا، یا نظر اور ضرورت کا، یا استدلال اور کشف کا ہے، اور سلوک کا مرتبہ جو بداہت اور ضرورت کا ہے وہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے اور اسی کا نام صدیقیت ہے، اس کے بعد جو مقام ہے وہ صرف مقامِ نبوت ہے، ایک نبی کو وحی کے ذریعہ جن حقائق کا علم ہوتا ہے اور وہ اسے دوسروں تک پہونچاتا ہے ایک صدیق اس کی بے چون و چرا تصدیق کرتا ہے، نبی کی بیان کی ہوئی حقیقت کیسی ہی مابعد الطبیعی اور بالائے فہم و قیاس ہو صدیق کیلئے وہ بدیہی ہوتی ہے، اور وہ اسے سنتے ہی قبول کرلیتا ہے، مجدد صاحب کے بیان کی قرآن مجید سے تائید ہوتی ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اس برگزیدہ گروہِ انسانی کے ساتھ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے فضل و احسان فرمایا ہے

وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور نیکو کاروں کا گروہ! ۔ کیا ہی اچھے رفیق اور ساتھی ہیں یہ لوگ! (المائدہ) ۔۔ (صدیقِ اکبر ملخصاً)

یہاں نبی کے بعد صدیق ہی کا درجہ بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتبۂ صدیقیت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے ۔۔۔ "صدیق کی روح پیغمبر کا اثر بڑی تیزی سے قبول کرتی ہے جیسے گندھک آگ سے بہت جلد اثر پذیر ہو جاتی ہے، اس بنا پر جب ایک صدیق پیغمبر کی زبان سے کوئی بات سنتا ہے تو وہ فوراً اس کے دل میں اتر جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس چیز کا علم بغیر تقلید خود بخود اس کو حاصل ہو گیا ہے"

اس کے علاوہ صدیق کے چند اور خصائص ہیں، مثلاً نبی کی محبت میں وہ اپنی جان و مال تک قربان کر دیتا ہے، کسی امر میں اس کی مخالفت نہیں کرتا، حضرت صدیق اکبرؓ کے ان خصائص کا خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف فرمایا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ الوارِدِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک سے چھن چھن کر روحِ صدیق پر عکس فگن ہوتے تھے، اس بنا پر جب تاثیر اور تاثر اور فعل و انفعال کے اس عمل میں شدت و تکرار ہوئی تو اس سے فنا اور فدا کا مقام حاصل ہو گیا۔

(صدیقِ اکبر ملخصاً)

نبوت سے صدیقیت کی ہم آہنگی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج و اخلاق میں اتنی مطابقت و مناسبت پائی جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنے رسولؐ کی رفاقت و اعانت اور نیابت و خلافت ہی کیلئے پیدا کیا تھا، فارسی کا مشہور شعر ہے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

شاعر نے اس شعر میں بڑی خوش اسلوبی سے ایک نفسیاتی حقیقت بیان کی ہے، بیشمار انسانوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ باہم دوستی کا تعلق ایسے ہی انسانوں میں ہوتا ہے جو آپس میں ہم مزاج و ہم اخلاق ہوتے ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر میں قبل نبوت ہی گہری دوستی تھی، اور مزاج و اخلاق کو دیکھئے تو قریش اور عرب میں پھیلی ہوئی جن برائیوں سے آنحضور کو نفرت تھی ان سے حضرت ابوبکر بھی متنفر اور بیزار تھے، محاسنِ اخلاق کو دیکھئے تو منصبِ رسالت سے سرفراز ہو کر غارِ حرا سے واپس تشریف لائے کے بعد حضور کے جن اخلاق کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے حضور کو تسلی دی، ہجرت کے ارادہ سے حبشہ جاتے ہوئے ابن الدغنہ حضرت ابوبکر کو ان کی جن صفات کا حوالہ دے کر مکہ واپس لے آیا وہ صفات وہی تھے جو حضرت خدیجہؓ کے بیان کردہ آنحضورؐ کے صفات تھے اگر قریش نے آنحضورؐ کو "صادق" کا لقب دیا تھا تو خود حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو "صدیق" کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

حضرت صدیق اکبرؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کس طرح قدم بقدم اور حضورؐ کے ظلِ نورانی کے کیسے عکس اور پرتو تھے، اس کے متعلق مولانا محمد طیب صاحب قاسمی نے "فطری حکومت" میں بڑے نفیس نکتے پیش کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت اسکی تمام صفات پر غالب تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی صفتِ خاصہ سے اپنے رسول کو ممتاز فرمایا تھا، اور حضورؐ کی تمام صفتوں پر بھی حضورؐ کی صفتِ شفقت و رحمت ہی کو غلبہ حاصل تھا، اور حضورؐ نے اپنے رفیق اور صدیق کی نمایاں صفت بھی یہی ارشاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا۔ اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ۔ (میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں) گویا نبوتِ محمدی رحمتِ ربانی کا پرتو تھی تو خلافتِ صدیقی رحمتِ نبوی کا عکس تھی، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ ایکبار حضرت جبرئیلؑ آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ حضرت ابوبکرؓ بھی آ گئے، حضرت جبرئیلؑ نے کہا۔ اے محمدؐ یہ ابن ابی قحافہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم آسمان والے بھی انھیں پہچانتے ہو؟ بولے خدا کی قسم! ابوبکرؓ زمین سے زیادہ آسمان میں مشہور ہیں، اور آسمان میں ان کا لقب حلیم ہے۔ (فطری حکومت بحوالہ ریاض النضرہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، یہی حال حضرت ابوبکرؓ کا تھا، بچوں کے گروہ کے پاس سے گذرتے تو فرماتے "السلام علیکم یا صبیان!" (بچو! تم پر سلامتی ہو) بچے آپ کو دیکھتے تو "یا اَبَتَاهُ۔ یا ابتاہ!" کہہ کر آپ سے لپٹ جاتے، آپ ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر پیار کرتے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ خطبہ حضراتِ حسنینؓ کو گود میں اٹھا لیتے، حضرت صدیقؓ کا بھی یہی عمل تھا، ایکبار آپ منبرِ نبویؐ سے خطبہ دے رہے تھے، حضرت حسنؓ مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکرؓ سے طفلانہ بھولے پن سے کہا۔ اِنْزِلْ عَنْ مَجْلِسِ اَبِیْ "میرے باپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ سے اترو" حضرت ابوبکرؓ نے ازراہِ تصدیق فرمایا۔ مَجْلِسُ اَبِیْكَ وَلَا مَجْلِسُ اَبِیْ "ہاں میاں! یہ تمہارے ہی باپ کی جگہ ہے میرے باپ کی جگہ نہیں ہے" یہ کہتے ہوئے دل بھر آیا، آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ فرطِ محبت سے حضرتِ حسنؓ کو گود میں اٹھا لیا، اور بلک بلک کر رونے لگے۔

حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حسنؓ نے اس طرح کہہ دیا تو گھبرا گئے، ازراہِ معذرت کہا۔ میں اللہ اور خلیفہ رسول اللہ (ابوبکرؓ) کے غضب وغصہ سے پناہ مانگتا ہوں میں نے حسنؓ کو یہ بات نہیں سکھائی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے تسلی دی اور فرمایا۔ تو میں نے بھی آپ پر کوئی تہمت نہیں لگائی۔ (فطری حکومت بحوالہ ریاض النضرۃ)

بعض مرتبہ حضرت حسنؓ کو راستے میں دیکھتے تو فرطِ محبت سے گود میں اٹھا لیتے

ایک بار انہیں کاندھے پر بٹھا کر فرمایا۔ میرا باپ تم پر قربان کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہو، علیؓ کے ہم شکل نہیں ہو۔" حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے ہنس کر ہنس پڑے،

مولانا محمد طیب نے اور بہت سی چیزوں میں صحیح مطابقت و مشابہت دکھائی ہے، افسوس کہ ان کے ذکر و بیان کی گنجائش نہیں ہے،

اب ہم ذیل میں حضرت صدیقؓ کی فضیلت میں آئی ہوئی حدیثیں درج کریں گے،

حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے آگے آگے چل رہا تھا، کہ ناگہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں مل گئے، اور فرمایا۔ کیا تم اس شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا اور آخرت میں تم سے بہتر ہے، خدا کی قسم! انبیاء و مرسلین کے بعد آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع اور غروب نہیں ہوا جو ابو بکرؓ سے بہتر ہو۔" (دار قطنی)۔ اس حدیث کے آخری ٹکڑے کو حضرت ابو درداءؓ کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت جابرؓ سے طبرانی، ابن حمید اور ابو نعیم نے بھی روایت کیا ہے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ پر رحم فرمائے، انھوں نے مجھ سے اپنی بیٹی بیاہ دی، مجھے اپنے ساتھ دار الہجرت (مدینہ) لے گئے، اور بلالؓ کو اپنے مال سے آزاد کیا، اور مجھے کسی کے مال سے اتنا فائدہ نہیں پہنچا جتنا فائدہ ابو بکرؓ کے مال سے پہنچا" (ترمذی)، مسند احمدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر رونے لگے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں اور میرا مال سب آپ ہی کا تو ہے"

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک اجالی رات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک میری آغوش میں رکھے آرام فرما رہے تھے میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں شمار میں آسمان کے ستاروں کے برابر بھی ہو سکتی ہیں؟ فرمایا "ہاں عمرؓ کی نیکیاں" میں نے عرض کیا "اگر عمرؓ کی نیکیاں اتنی ہیں تو ابو بکرؓ کی نیکیاں کتنی ہوں گی؟" حضورؐ نے

فرمایا: اگر عمرؓ کی تمام نیکیاں جمع کردی جائیں تو ابو بکرؓ کی صرف ایک نیکی کے برابر ٹھہریں گی۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جبرئیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک مقام پر لے گئے، وہاں مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی" حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ اے خدا کے رسولؐ! کاش اس وقت آپ کے ہمراہ میں بھی رہا ہوتا، اور اس دروازے کو دیکھتا، حضورؐ نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ سب سے پہلے جنت میں جو شخص داخل ہوگا وہ تم ہو گے" (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مجھے آسمان پر معراج ہوئی تھی تو میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جس پر میرا نام اور میرے نام کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کا نام یوں لکھا ہوا نہ ہو کہ محمد رسول اللہ و ابوبکر خلیفہ رسول اللہ" (فطرتِ حکومت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "اے ابوبکرؓ! اللہ نے مجھ کو ان لوگوں کے برابر ثواب عطا فرمایا ہے جو آدمؑ کی پیدائش سے لیکر میری بعثت کے وقت تک اس پر ایمان لائے، اور تم کو ان سب لوگوں کے برابر ثواب عطا فرمایا ہے جو میری بعثت کے وقت سے لیکر قیامت تک مجھ پر ایمان لائیں" (ایضاً)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایکبار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ آیت تلاوت کی،

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً — اے نفسِ مطمئنہ! تو اپنے پروردگار کی طرف چلی جا، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی

پھر میں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! یہ خوب ارشادِ ربانی ہے!" حضورؐ نے فرمایا۔ "اے ابوبکرؓ! جب تم کو موت آئے گی اس وقت جبرئیلؑ تم سے یہی کہیں گے" (صدیق اکبرؓ کو گفر الکمال)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایکبار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے آپ کے جسم مبارک پر جو عبا تھی وہ سینے پر سے اُدھڑی ہوئی تھی، اسی حالت میں جبریل امین علیہ السلام آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ یہ کیا بات ہے کہ ابوبکرؓ کی عبا سینے پر سے چاک ہو رہی ہے؟ حضورؐ نے جواب دیا۔ ابوبکرؓ نے فتح مکہ سے پہلے اپنی تمام دولت مجھ پر صرف کر دی، جبریلؑ نے کہا۔ آپ ابوبکرؓ کو اللہ کا سلام پہونچا دیجئے، اور ان سے پوچھئے کہ وہ اپنے اس فقر پر اللہ سے راضی ہیں، یا ناراض؟ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا تو وہ رونے لگے، اور عرض کیا۔ بھلا میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، (صدیق اکبر بحوالہ اسباب النزول)

قرآن مجید کی کتنی ہی آیتیں حضرت صدیق اکبرؓ ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ذیل کی آیات بھی انھیں میں سے ہیں۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کیا تو مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ ابوبکرؓ پر بلالؓ کا کوئی احسان رہا ہوگا جس کا انھوں نے بدلہ چکایا ہے۔ اس کی تردید میں یہ آیت اتری،

وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ۝ (والیل پ۳۰)

(اس نے اپنا مال اس لئے نہیں دیا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اتارتا ہے بلکہ اپنے خداوند اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے دیتا ہے اور وہ عنقریب خوش ہو جائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز قبل ایک خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا۔ تمام لوگوں میں جس شخص نے اپنی رفاقت اور اپنے مال سے ہم پر سب سے زیادہ احسان کیا ہے وہ ابوبکرؓ ہیں، اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن ان کے ساتھ میرا اسلامی بھائی چارہ اور

محبت کا تعلق ہے، ان کے سوا کسی اور کی کھڑکی مسجد کی طرف نہ رہنے دی جائے (بخاری)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے آخری دنوں میں حضورؐ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کی جگہ امامت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ جس قوم میں ابوبکرؓ موجود ہوں اس کیلئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ابوبکرؓ کے سوا اس کی امامت کوئی اور کرے، (ترمذی)

حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت آئی، اس نے کسی معاملے میں آپ سے کچھ بات چیت کی حضورؐ نے فرمایا۔ پھر آنا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ فرمایئے کہ اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ اس کی غرض یہ تھی کہ آپ کی وفات ہو جائے تو کس کے پاس جاؤں حضورؐ نے فرمایا۔ اگر مجھ کو نہ پانا تو ابوبکرؓ کے پاس جانا۔ (بخاری)

حضرت حسان بن ثابتؓ دربارِ خلافت کے نامور شاعر تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا۔ حسان! تم نے ابوبکرؓ کی مدح میں کچھ کہا ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ہاں! ۔ فرمایا۔ ذرا سناؤ۔" حضرت حسانؓ نے یہ دو شعر سنائے۔

وَثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ وَقَدْ   طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ اِذْ صَعِدَ الْجَبَلَا

وَکَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا   مِنَ الْبَرِیَّةِ لَمْ یَعْدِلْ بِهٖ رَجُلَا

ترجمہ:۔ ابوبکرؓ مبارک غار کے رفیق ہیں۔ جب وہ پہاڑ پر چڑھے تو دشمن نے ان کو گھیر لیا اور رسول اللہؐ کے محبوب ہیں، لوگ جانتے ہیں کہ پوری دنیا میں ان کے برابر کوئی آدمی نہیں ہے

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سن کر اس طرح تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانِ مبارک نظر آگئے، آپ نے فرمایا۔ حسان! تم نے سچ کہا۔ ابوبکرؓ ایسے ہی ہیں۔ (صدیقِ اکبر)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک ہی میں حضرت ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ کا درجہ تھا، ان تینوں کے بعد ہم حضورؐ کے صحابہ میں ایک کو دوسرے پر امتیاز نہیں دیتے تھے (بخاری)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایک بار آپ کے سامنے حضرت صدیق اکبرؓ کا ذکر نکل آیا تو آپ رو پڑے پھر فرمایا "کاش میری تمام زندگی کے اعمال حضرت ابوبکرؓ کی زندگی کی صرف ایک رات اور ایک دن کے عمل کے برابر ہوسکتے"

حضرت عمرؓ کی یہ روایت مشکوٰۃ میں بہ تفصیل آئی ہے۔ رات سے آپ کی مراد ہجرت کی رات ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں غارِ ثور میں پناہ گزیں ہوئے، اس سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کو سانپ کے ڈسنے تک کا واقعہ مذکور ہے،

اور دن سے مراد وہ دن ہے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام صحابہؓ باغیان و مرتدین سے جنگ کرنے کے خلاف تھے لیکن سب کی مخالفت کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے تنہا اپنی خصوصی بصیرت سے جنگ کا فیصلہ کیا، اور بالآخر صحابہ کو بھی اس فیصلے کی صحت تسلیم کرنی پڑی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت محمدؒ جو اپنی ماں کی نسبت سے محمد بن حنفیہؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ انھوں نے کہا۔ ابوبکرؓ میں نے پوچھا۔ ان کے بعد۔ فرمایا۔ "عمرؓ"

میں نے سوچا۔ اس کے بعد کہیں آپ حضرت عثمانؓ کا نام نہ لے لیں اس لئے میں نے کہا۔ "پھر آپ بہتر ہیں؟" — فرمایا "میں تو ایک عام مسلمان ہوں"، (بخاری)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں "اس امت میں اپنے نبیؐ کے بعد سب سے بہتر ابوبکرؓ ہیں

جو اس کے خلاف کہے وہ مفتری ہے، اس پر افترا کی حد جاری ہوگی، (احمد، ابن عساکر)

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے، دورانِ تقریر میں آپ نے سوال کیا، لوگو! بتاؤ سب سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: "آپ!"

حضرت علی نے فرمایا۔ یہ صحیح ہے کہ جس نے بھی مجھے مقابلہ کی دعوت دی میں نے اس سے مقابلہ کیا، لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ سب سے بہادر حضرت ابوبکرؓ تھے، جنگِ بدر میں ہم لوگوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک چھپر بنا دیا تھا، وہ چھپر دشمنوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا، اور وہ اس پر پے در پے حملے کر رہے تھے، کافر آپ پر ٹوٹے پڑتے تھے، اور چاہتے تھے کہ آپ کو قتل کر دیں، ایسی حالت میں سوال پیدا ہوا کہ حضورؐ کی حفاظت کیلئے آپکے پاس کون رہے؟ یہ کام کچھ آسان نہ تھا، اس لئے کسی شخص کو اس کی انجام دہی کا حوصلہ نہ ہوتا تھا، آخر میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے کو اس کام کیلئے پیش کیا، آپ تلوار کھینچ کر چھپر کے پاس پہونچ گئے، اور حضورؐ کو دشمنوں سے بچانے لگے، جو دشمن بھی حضورؐ کی طرف رخ کرتا حضرت ابوبکر جھپٹ کر اس کا مقابلہ کرتے۔ خدا کی قسم! میں نے دیکھا کہ کفار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے اور کہتے۔ کیا تو ہی وہ ہے جس نے تمام معبودوں کو ایک بنا دیا ہے؟ — خدا کی قسم! اس موقع پر ہم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ حضورؐ کے پاس رہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ آپ کے پاس موجود تھے، وہ کسی سے لڑتے، کسی کو پچھاڑتے، کسی کو مارتے تھے، کسی کو جھنجھوڑتے تھے، اور کہتے تھے، کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے۔"

یہاں تک بیان کرتے کرتے حضرت علی پر رقت طاری ہو گئی، اور آپ اتنا روئے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ واللہ! ابوبکر کی زندگی کی ایک ساعت،

تمام دنیا سے بڑھ کر ہے" (کنز العمال بر مسند احمد)

حضرت امام جعفر صادق حضرت امام باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار ایک شخص امام زین العابدینؒ کے یہاں گیا، اور پوچھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟۔ انھوں نے فرمایا۔ کیا تم صدیقؓ کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ کہنے لگا۔ کیا آپ ابوبکرؓ کو صدیق کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ تمہاری ماں کا بیٹا مرے، ابوبکرؓ کو صدیقؓ کا لقب رسول خداؐ، مہاجرینؓ اور انصارؓ نے دیا تھا، جو ان کو صدیق نہ کہے خدا اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے۔ (مسند دار قطنی)

فضائل صدیقیؓ کتب شیعہ میں

اس کتاب کی ترتیب کے آخری مرحلے میں اتفاقاً ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ کی کتاب "بھائی بھائی" سامنے آگئی، برقؔ صاحب فرقہ "اہل قرآن" اور بالفاظِ صحیح "منکرِ حدیث" گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جو امت مسلمہ میں ایک جدید رخنہ پیدا کر رہا ہے مگر خود صاحبِ موصوف نے یہ کتاب سنی شیعہ اتحاد کی غرض سے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو منکرِ حدیث بنانے کے مقصد سے لکھی ہے اس کتاب میں شیعی کتابوں کے حوالوں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل نقل کئے گئے ہیں، یہاں ان میں سے بھی کچھ روایتیں دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ تلوار کی آرائش و زیبائش جائز ہے یا نہیں؟ قَالَ نَعَمْ۔ قَدْ حَلّٰی اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ سَیْفَہٗ بِالْفِضَّۃِ وَقَالَ الرَّاوِیْ اَلْقَوْلُ ھٰکَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَلٰی مَکَانِہٖ فَقَالَ نَعَمِ الصِّدِّیْقُ نَعَمِ الصِّدِّیْقُ نَعَمِ الصِّدِّیْقُ فَمَنْ لَّمْ یَقُلْ لَہُ الصِّدِّیْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰہُ قَوْلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (کشف الغمہ تصنیف علی بن عیسیٰ اربلی)[1]

[1] کشف الغمہ اکابرِ شیعہ کے نزدیک معتمد علیہ ہے۔ صاحب استقصاء لکھتے ہیں "آنکہ در کشف الغمہ

فرمایا۔ بیشک جائز ہے کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار چاندی سے سجائی تھی، راوی نے کہا۔ کیا آپ ابوبکرؓ کو صدیق کہتے ہیں؟ اس پر امام غصے میں آ کر اپنی جگہ اچھل پڑے اور فرمایا۔ ہاں ہاں وہ صدیق ہے، صدیق ہے، صدیق ہے، اور جو اسے صدیق نہ کہے اللہ اسے دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے،

۲۔ "احتجاج" طبرسی میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ درج ہے۔

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی جبل حراء اذا تحرک الجبل فقال له قر فانه لیس علیک الا نبی وصدیق وشہید

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ کوہ حرا پر کھڑے تھے کہ پہاڑ ہلنے لگا، حضورؐ نے پہاڑ سے کہا "ٹھہر جا کہ تجھ پر نبی صدیق اور شہید کے سوا اور کوئی نہیں۔" (حرا پہاڑ مکہ میں واقع ہے، غالباً یہاں شہید سے مراد حضرت علیؓ ہیں)

۳۔ علامہ طبرسی اثنا عشری نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں آیہ والذی جاء بالصدق وصدق به کی تفسیر یوں کی ہے، قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ ومن صدق به ابوبکر (کہتے ہیں کہ صدق لانے والے سے مراد رسول اللہ ہیں اور تصدیق کرنے والے سے مراد ابوبکر ہیں۔

۴۔ اسی تفسیر میں آیہ وسیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی (والیل) کے تحت درج ہے، ــــ عن ابن الزبیر قال ان الایة نزلت فی ابی بکر لانه اشتری الممالیک الذین اسلموا مثل بلال وعامر ابن فہیرة وغیرهما واعتقهم (ابن زبیر کہتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے متعلق نازل ہوئی تھی جنہوں نے بلالؓ و عامر بن فہیرہؓ جیسے نومسلم غلام خرید کر آزاد کر دیے تھے)

۵۔ علامہ طبرسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری علالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ثُمَّ قَامَ وَتَهَيَّأَ الصلوٰة وحضر المسجد وَصلّى خلف ابی بکر (احتجاج ۵۳)
(حضورؐ اٹھے، نماز کی تیاری کی، مسجد گئے اور ابو بکر کے پیچھے نماز پڑھی)

۶۔ حضرت امام باقرؒ فرماتے ہیں ـــــ لَسْتُ بمنکرٍ فضل اَبِی بکر و لست بمنکر فضل عمر و لکن ابی بکر افضل (احتجاج ۲۱۲)۔ یعنی میں ابو بکرؓ و عمرؓ کی فضیلت کا منکر نہیں بلکہ اتنا کہتا ہوں کہ ابو بکر افضل تھے،

۷۔ بقول ملا باقر مجلسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت صحابہؓ کی تعداد چار لاکھ تھی، شریف مرتضیٰ امامیہ کے ایک متبحر عالم تھے، ان کا ایک قول "بحار الانوار" کی جلد سوم میں یوں منقول ہے،

"جمیع مسلمانان با ابو بکر بیعت کردند، و اظہار رضا و خوشنودی بہ او وسکون و اطمینان بسوئے او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ ..... است"
(تمام مسلمانوں نے ابو بکر سے بیعت کرلی، اس پر رضامندی خوشنودی سکون اور اطمینان کا اظہار کیا اور سب نے کہا کہ بیعت کا مخالف بدعتی ہے)

۸۔ تفسیر قمی جو حضرت امام حسن عسکری کی طرف منسوب ہے، اس میں اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کے تحت درج ہے ـــــ لَمَّا کَانَ رسول اللّٰہ صلعم فی الغار قال لابی بکر کانی انظر الی سفینۃ جعفر و اصحابہ تقوم فی البحر و انظر مختبئین فی اَفْنِیَتِهِمْ فقال ابو بکر تراھم یا رسول اللّٰہ قال نعم قال فارنیھم فمسح علی عینیہ فراھم فقال لہ رسول اللّٰہ صلعم انت الصدیق،
(جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے تو ابو بکرؓ سے کہنے لگے، مجھے جعفر اور اس کے رفقاء (جو اس وقت حبشہ میں تھے) کی کشتی دریا میں کھڑی نظر آرہی ہے، نیز مجھے مدینہ کے انصارؓ دکھائی دے رہے ہیں جو اپنے گھروں میں آرام کر رہے ہیں، ابو بکرؓ نے کہا۔ کیا آپ دیکھ رہے ہیں؟

فرمایا۔ بیشک! کہا مجھے بھی دکھائیے، چنانچہ آپ نے اس کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا اور اسے سب کچھ نظر آ گیا، بعد ازاں حضورؐ نے فرمایا تو صدیق ہے)

۹۔ ملا عبدالجلیل قزوینی امامیہ کے ایک بلند پایہ عالم ہوگذرے ہیں، وہ اپنی کتاب نقض الفضائح میں لکھتے ہیں ـــــ (اما ثنائے خلفا پس برآں انکارے نیست، بزرگان اند از مہاجرین، والسابقون الاولون .....) ـــ یعنی خلفا کی تعریف سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، یہ بزرگ مہاجرین اور سابقون الاولون میں داخل ہیں (بھائی بھائی)

۱۰۔ شیخ ابن بابویہ قمی نے معانی الاخبار میں حضرت امام موسیٰ رضاؑ سے روایت کی ہے عن الحسن ابن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابابکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد (حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیشک ابوبکرؓ میرے لئے بمنزلہ کان کے ہیں اور عمرؓ میرے لئے بمنزلہ آنکھ کے ہیں، اور عثمانؓ میرے لئے بمنزلہ دل کے ہیں۔

۱۱۔ تفسیر حضرت امام حسن عسکری میں قصہ ہجرت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا ـــ جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن۔ انتہیٰ (خدا نے تمہیں میرے لئے بمنزلہ سمع بصر، اور سر کے بنایا جسم میں، اور بمنزلہ روح کے بدن میں۔)

۱۲۔ کتاب منہج المقال میں بریدہ اسلمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے۔ اتنے میں ابوبکر آئے، لوگوں نے ان سے کہا۔ تم صدیق اور ثانی اثنین فی الغار ہو۔ تم حضرت سے پوچھو۔ وہ کون لوگ ہیں؟"[۱]

---

[۱] موخر الذکر تین روایتیں کتاب "تحفۃ الاصفیا بتحقیق افضل البشر بعد الانبیاء" سے ماخوذ ہیں۔

اخلاق ومحاسن

تواضع وخاکساری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزاج میں انتہائی سادگی تھی، آپ شان وشوکت کو بالکل ناپسند کرتے تھے ساری دولت اللہ ورسولؐ کی راہ میں خرچ کر چکے تھے، گذارے کیلئے کندھے پر کپڑے کی گٹھڑی رکھ لیتے اور بازار میں جاکر کپڑا فروخت کرتے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی اسی طرح کپڑے کی گٹھری کندھے پر رکھ کر گھر سے نکلے، راستے میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے پوچھا۔ خلیفہ رسول! کہاں کا ارادہ ہے؟ - جواب دیا - بازار جا رہا ہوں، انھوں نے کہا - اب آپ مسلمانوں کے حاکم اور امیر ہیں، آپ کو اس کام کیلئے وقت کہاں ملے گا؟ گھر واپس چلئے، ہم بیت المال سے آپ کیلئے اور آپکے بال بچوں کے گذارے کیلئے وظیفہ مقرر کردیں گے، ان کے کہنے پر آپ گھر واپس چلے گئے،

آپنے خلیفہ ہونے کے بعد مسلمانوں کے سامنے جو خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ رسول اللہؐ گناہوں اور لغزشوں سے بالکل پاک تھے ان کے پاس خدا کی وحی آتی تھی، میں ایک معمولی آدمی ہوں اس لئے اگر تم مجھے سیدھے راستے پر دیکھنا تو میری بات کو ماننا اور اگر میں ٹیڑھی راہ اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردینا؛"

آپ جس طرف نکل جاتے لوگ آپ کی تعظیم کرتے، آپ فرماتے - لوگوں نے مجھے بہت بڑھا دیا ہے، اگر کوئی آپ کی تعریف کرتا تو کہتے - خدایا! تو میرا حال مجھ سے بہتر جانتا ہے، اور دوسرے لوگوں کی نسبت اپنا حال میں خود زیادہ جانتا ہوں، خدایا! میرے متعلق لوگوں کا جو گمان ہے تو مجھے اس سے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور ان کی بیجا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کیجیو، (خلفائے راشدین)

ایک بار ایک شخص نے آپ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا، آپ نے فرمایا۔ "مجھے خلیفۃ اللہ" نہ کہو، میں خدا کا نائب نہیں بلکہ رسول کا نائب ہوں اور میرے لئے اتنا ہی بہت ہے۔"

حضرت اسامہ بن زیدؓ فوج لے کر شام کو روانہ ہونے لگے، تو حضرت ابوبکرؓ ان کو شہر سے باہر تک رخصت کرنے گئے، حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے، اور آپ پا پیادہ تھے، حضرت اسامہؓ کو یہ گوارا نہ ہوا اور انھوں نے عرض کیا، خلیفۂ رسولؐ! خدا کی قسم! آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیں یا اجازت دیں کہ میں بھی پیدل چلوں، آپ نے فرمایا۔ "اگر میں تھوڑی دیر کیلئے راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔" (صدیقِ اکبر)

خلیفہ ہونے کے بعد ایک بار مکہ معظمہ گئے، وہاں آپ کا گھر موجود تھا، آپ کے والد بھی زندہ تھے، جو نابینا تھے، آپ کے والد کو معلوم ہوا کہ آپ آئے ہیں تو وہ اٹھنے لگے، آپ اونٹنی پر تھے، اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی آپ اونٹنی سے کود کر باپ سے بغل گیر ہوئے، باپ کی اندھی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے، گھر کے اندر گئے، غسل کر کے کپڑے بدلے اور کعبہ شریف کے طواف کیلئے نکلے، لوگ پیچھے چلنے لگے، آپ نے سب کو روک دیا، جو شخص راستے میں ملتا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کرتا، آپ زار زار روتے اور دوسروں کو بھی رلاتے۔ (الصدیق)

زہد و قناعت

ایک مرتبہ آپ نے پینے کیلئے پانی مانگا، لوگوں نے پانی میں شہد ملا کر پیش کیا، آپ جیسے ہی اسے منہ کے پاس لے گئے، آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے، آپ اس قدر روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی، جب سکون ہوا تو رونے کا سبب پوچھا گیا، آپ نے فرمایا۔ میں ایک

روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کسی چیز کو "دور۔ دور" کہہ رہے تھے، میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جس کو دور فرما رہے ہیں۔ مجھ کو تو کوئی چیز نظر نہیں آتی؟ آپ نے فرمایا۔ دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی، میں نے اس کو دور کر دیا، اس وقت یکایک مجھے وہی بات یاد آگئی، اور میں ڈرا کہ شاید میں دنیا کے جال میں پھنس جاؤں" (اسد الغابہ)

ایک روز آپ کی زوجہ محترمہ نے کہا "کوئی میٹھی چیز کھانے کو جی چاہتا ہے" آپ نے کہا۔ میرا جو وظیفہ مقرر ہے اس سے زیادہ بیت المال سے لے نہیں سکتا، وظیفے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاؤ، جب کچھ جمع ہو جائے تو کوئی میٹھی چیز پکا لینا، چند روز کے بعد بیوی نے کوئی میٹھی چیز پکائی اور آپ کے سامنے پیش کی، آپ نے دریافت فرمایا۔ روزانہ کتنا بچایا تھا؟ انھوں نے مقدار بتائی، آپ نے بیت المال کے افسر کو لکھ دیا کہ میرے وظیفے میں سے اتنا کم کر دیا جائے کیونکہ کوئی میٹھی چیز کھائے بغیر بھی زندگی گذاری جا سکتی ہے۔" (خلفائے راشدین)

خلیفہ ہونے کے بعد آپ کو بیت المال سے جو کچھ ملتا تھا، وہ آپ کے گذارے سے زیادہ نہ تھا، پھر بھی آپ نے اپنی وفات کے وقت اپنی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ رض سے فرمایا کہ میرا سامان دیکھنا اور خلیفہ ہونے کے بعد اس میں جن چیزوں کا اضافہ ہو گیا ہو ان کو بیت المال میں بھیج دینا، آپ کی وصیت کے مطابق سامان کا جائزہ لینے پر یہ چیزیں زیادہ ٹھہریں، ایک اونٹ، پانچ درہم (تقریباً سوا روپے) کی ایک پرانی چادر، اور ایک توشک، اور بیان کے مطابق ایک حبشی غلام بھی تھا، جب یہ چیزیں خلیفہ دوم حضرت عمر کے پاس پہنچیں تو آپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا۔ ابوبکر! خدا تم پر رحم فرمائے، تم نے مرنے کے بعد بھی

تقویٰ اور پرہیزگاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور کسی کو اعتراض کا موقع نہ دیا،
(طبقاتِ ابنِ سعد)

تقویٰ و پرہیزگاری ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے غلام نے کوئی کھانے کی چیز لاکر آپ کو دی، جب آپ اسے کھا چکے تو غلام نے کہا۔ میں نے کفر کے زمانے میں ایک شخص کا فال کھولا تھا، مجھے یہ کام آتا نہ تھا، میں نے اس شخص کو دھوکہ دے دیا تھا، آج اس سے ملاقات ہوگئی تو اس نے معاوضے میں یہ چیز دی ہے، آپ نے یہ سنا تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کرکے وہ چیز نکال دی، آپ فرماتے تھے کہ "حرام کھانے سے جو جسم پلتا ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے" (صدیق اکبر)

آپ کا یہ ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے ماخوذ ہے،

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات کے ساتھ سفر کر رہے تھے، درمیان میں ایک جگہ پڑاؤ ہوا سب حضرات علیحدہ علیحدہ مختلف لوگوں کے یہاں ٹھہر گئے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت ابوسعید خدری وغیرہ کے ساتھ ایک اعرابی کے گھر میں قیام فرمایا، ان کے ساتھ ایک اور اعرابی تھا میزبان کی بیوی حاملہ تھی، اس اعرابی نے میزبان کی بیوی سے شرط کرلی کہ اگر تو ان سب کو بکری کا گوشت کھلائے گی تو اس کے بیٹا پیدا ہوگا، عورت نے یہ شرط منظور کرلی اور بکری ذبح کردی، جس پر اعرابی نے الٹے سیدھے کچھ مسجع جملے پڑھ دیے، بکری کا گوشت کھانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو پورا قصہ معلوم ہوا تو آپ سے برداشت نہ ہوسکا، فوراً قے کردی (مسند احمد حنبل بحوالہ صدیق اکبر)

حق پسندی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ سے ایک زمین کے بارے میں جھگڑا ہوگیا حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے کوئی

سخت بات نکل گئی، بعد کو احساس ہوا تو فرمایا۔ ربیعہ! تم بھی کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ لو، وہ اس کیلئے تیار نہ ہوئے، آپ نے فرمایا۔ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری شکایت کروں گا۔ مطلب یہ تھا کہ کسی طرح ربیعہ بدلہ لے لیں پھر بھی انھوں نے نہ صرف بدلہ نہیں لیا بلکہ زمین سے بھی دست بردار ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ خدمتِ نبوی میں چلے تو ربیعہ بھی پیچھے ہو گئے، ربیعہ کے قبیلے والے ان کی حمایت کیلئے تیار ہو گئے، بولے۔ کیا خوب سخت بات بھی کہی اور حضورؐ سے شکایت بھی کرنے جا رہے ہیں۔ ربیعہ نے کہا۔ تم چپ رہو، جانتے ہو، یہ حضورؐ کے رفیقِ غار ہیں۔ انھوں نے تم کو دیکھ لیا تو غضب ناک ہو جائیں گے، اور حضورؐ نے ان کو غضب ناک دیکھا تو حضورؐ کو بھی غصہ آ جائے گا، اور ان دونوں کے غصے سے خدا کا غضب بھڑک اٹھے گا، اور ربیعہؓ تباہ ہو جائے گا، حضرت ابوبکرؓ نے حضورِ نبوی میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ ربیعہؓ نے بھی اپنی گذارش پیش کی، حضورؐ نے ربیعہ کی روش کی تحسین کی، فرمایا۔ تم نے اچھا کیا جو ابوبکرؓ کو پلٹ کر وہی بات نہیں کہہ دی ہم یوں کہہ دو کہ ابوبکر! اللہ آپ کی غلطی کو معاف فرمائے، ربیعہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی تو حضرت ابوبکر رو پڑے، (صدیق اکبر بحوالہ مسندِ احمد)

اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں کسی بات پر بحث ہو گئی، حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے کوئی سخت جملہ نکل گیا، اس پر آپ بہت ہی شرمندہ ہوئے اور حضرت عمرؓ سے معافی مانگنے لگے، لیکن حضرت عمرؓ نے معاف نہ کیا، حضرت ابوبکر گھبرائے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا، حضورؐ نے ان کو تسکین دینے کیلئے تین مرتبہ فرمایا۔ ابوبکر! خدا تمہیں بخش دے گا، ادھر حضرت عمر کا غصہ دور ہوا تو ان کو اپنے انکار پر بہت

افسوس ہوا، وہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئے، وہاں ملاقات نہ ہوئی تو تلاش کرتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں پہنچے، حضرت عمرؓ کو دیکھ کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک غصے سے تمتمانے لگا، یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ دوزانو بیٹھ گئے، اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا۔ اور میں نے ہی زیادتی کی تھی، اس طرح حضورؐ کا غصہ کم ہوگیا تو آپ نے فرمایا۔ میں مبعوث ہوا تو سب نے مجھے چھوڑ دیا لیکن ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی اور جان و مال سے میری مدد کی، کیا تم ان کو مجھ سے چھڑا دوگے؟ (بخاری)

احتسابِ نفس ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے دیکھا تو اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں، بولے — خدا آپ کو معاف فرمائے، ایسا نہ کیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، اسی زبان نے تو مجھے تباہ کیا ہے۔ (موطا امام مالک)

حضرت صدیق رضی کا یہ اسوہ ہمارے لئے بہت بڑی موعظت ہے، ہم اپنی زبان کی طرف سے کتنے غافل اور بے پروا ہوتے ہیں کہ جو بھی منہ میں آتا ہے زبان سے نکل جاتا ہے، ہمیں ذرا بھی پروا نہیں ہوتی، ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی زبانِ مبارک سے ہماری جیسی کوئی بات نکلی ہوگی پھر بھی آپ اپنی زبان کو یا رہاہئے کہ خود اپنے کو سزا دے رہے تھے،

اندیشۂ آخرت کسی ہرے بھرے درخت کو دیکھتے تو آخرت کا خیال کر کے کہتے۔ "کاش! میں بھی کسی سڑک کے کنارے کا ایک درخت ہی ہوتا میرے پاس سے کسی اونٹ کا گذر ہوتا اور وہ مجھے اپنے منہ میں رکھ کر چبا لیتا اور میں مینگنی بن کر نکل جاتا مگر انسان نہ ہوتا"

ایک بار آپ نے کسی درخت کی ٹہنی پر ایک چڑیا بیٹھی ہوئی دیکھی۔ آپ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ —— اے چڑیا! تو کتنی خوش نصیب ہے! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی تیری طرح ہوتا۔ جس درخت پر تیرا دل چاہتا ہے بیٹھ جاتی ہے اور جو پھل تیرا جی چاہتا ہے کھا لیتی ہے، تیرے لئے نہ کوئی حساب کتاب ہے نہ عذاب"

عبرت پذیری ایک روز آپ نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا۔

کہاں ہیں وہ حسین و روشن چہرے والے جو اپنے شباب سے حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے؟ کہاں ہیں وہ سلاطین جو بڑے بڑے شہر بساتے تھے اور ان کو قلعہ بند کرتے تھے؟ کہاں ہیں وہ بہادر جو میدانِ جنگ میں فتح و غلبہ حاصل کرتے تھے؟ —— زمانے کی گردشوں نے ان کو پست کر دیا اور ان کے بازو توڑ دیئے! (تاریخ الخلفاء)

تقریر کے لفظ لفظ سے عبرت پذیری ٹپک رہی ہے!

رقتِ قلب حضرت ابوبکر صدیق انتہائی رقیق القلب واقع ہوئے تھے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی، اور اس طرح بلک بلک کر روتے کہ جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان کا جی بھر آتا، اور رونے لگتے، بات بات پر سرد آہ کھینچتے جس کی وجہ سے آپ کا لقب "اَوَّاہٌ مُنِیْب" پڑ گیا تھا، سنہ ۱۲ھ میں حج کیلئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے حضورؐ کی وفات کو کچھ ہی دن گذرے تھے، لوگ آپ سے ملنے آتے تو حضورؐ کی تعزیت کرتے، آپ پر رقت طاری ہو جاتی، جواب میں زار زار روتے،

ذوقِ عبادت حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو اکثر روزے رکھتے، گرمیوں کا زمانہ اکثر روزوں ہی میں بسر ہوتا، نمازیں

خشوع وخضوع کا یہ عالم ہوتا کہ کھڑے ہوتے تو لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے، قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو زار زار روتے۔

مخلوقِ خدا کی خدمت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عام طور پر لوگوں کی خدمت کردیا کرتے تھے، اور بوڑھوں اور بےکسوں کا تو خاص طور پر خیال رکھا کرتے تھے، خلیفہ ہونے کے بعد بھی آپ کے اس طریقے میں کوئی فرق نہ آیا، آپ اپنے ایک پڑوسی کی بکریاں دوہا کرتے تھے، جب آپ خلیفہ ہوئے تو اس کی لڑکی نے کہا: اب تو حضرت ابوبکرؓ ہماری بکریاں نہ دوہا کریں گے، کیونکہ وہ خلیفہ ہوگئے"۔ آپ نے سنا تو فرمایا "خلافت مجھے لوگوں کی خدمت سے نہیں روک سکتی، میں اسی طرح بکریاں دوہا کروں گا جیسے خلافت کے پہلے دوہا کرتا تھا"

مدینہ کے باہر ایک لاوارث اندھی بڑھیا رہتی تھی، حضرت عمرؓ روزانہ صبح کو اس کے جھونپڑے میں جاتے اور جو ضروری کام ہوتا کردیا کرتے، کچھ دنوں بعد حضرت عمر کو پتہ چلا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے پہونچ کر بڑھیا کے کام کردیا کرتا ہے ایک دفعہ پتہ لگانے کیلئے رات رہتے ہی وہاں پہونچ گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ بڑھیا کے کام سے فارغ ہوکر جھونپڑے سے نکل رہے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ تھے خدائی حکومت کے صدر جمہوریہ! یہ تھے اسلامی اشتراکیت کے اعلیٰ سربراہ کار! کیسے ظالم اور جاہل ہیں جو اسلام کو شاہنشاہیت اور سرمایہ داری کا ایجنٹ کہتے ہیں، یہ ظالم خود شیطان کے ایجنٹ ہیں،

آپ بیماروں کی عیادت اور بیمار پرسی کرتے، جس کے یہاں کوئی غمی پڑجاتی اس کے یہاں جاکر صبر کی تلقین فرماتے، اور کہتے کہ جس مصیبت پر صبر کیا جائے وہ مصیبت مصیبت نہیں رہ جاتی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کو

یاد کرلیا کرو تاکہ تمہاری مصیبت آسان ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ تم کو زیادہ اجر دے"

حضرت ابوبکرؓ میں یہ صفتیں خلیفہ ہونے سے بہت پہلے ہی موجود تھیں، چنانچہ عہدِ رسالت کا واقعہ ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ "میں" حضورؐ نے پھر سوال کیا۔ آج کسی نے جنازہ پہنچایا ہے؟ کسی نے محتاج کو کھانا کھلایا ہے، اور کسی نے مریض کی بیمار پرسی کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میں نے یہ سب کام کئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جس نے ایک دن میں اتنے نیک کام کئے ہوں وہ ضرور جنت میں جائے گا۔"

محبتِ رسولؐ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سب سے بڑی خصوصیت محبتِ رسولؐ تھی، یہی محبت تھی جس نے آپ کو اطاعت واتباعِ رسولؐ کا پیکر بنا دیا تھا، جب تک حضورؐ حیات تھے، حضرت ابوبکرؓ آپ پر پروانہ وار نثار ہوتے رہے، نہ عزت کو عزت سمجھا، نہ مال کو مال اور نہ جان کو جان، حضورؐ کی وفات کے بعد بھی محبت کی یہ آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، زبانِ پر نامِ مبارک آجاتا، تو آنکھیں برس پڑتیں، وفاتِ نبویؐ کے دوسرے سال خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو فرمایا۔

"قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الاول ......" اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے ......

اتنا کہنا تھا کہ سانحۂ وفات یاد آگیا اور بلک بلک کر رونے لگے، سنبھل کر دوبارہ بولنا شروع کیا، تو پھر ہچکی بندھ گئی، تیسری بار بڑے ضبط سے کام لے کر خطبہ پورا کیا۔

حضرت ام ایمنؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں گود کھلایا تھا، اس تعلق سے حضورؐ ان کے یہاں آتے جاتے تھے، حضورؐ کی وفات کے بعد خلیفۂ رسولؐ بھی

اس وضع کو نبھاتے تھے، ایکبار آپ ان کے گھر گئے تو حضرت عمرؓ بھی ساتھ تھے، ان رفقائے خاص کو دیکھ کر حضرت ام ایمنؓ کو بے اختیار حضورؐ کی یاد آگئی، اور وہ رونے لگیں، ان حضرت نے ان کی تسلی کی غرض سے فرمایا۔ آپ روتی کیوں ہیں؟ حضورؐ کیلئے تو اللہ کا قرب ہی بہتر تھا، بولیں۔ یہ تو صحیح ہے۔ غم یہ ہے کہ وحی کی آمد بند ہوگئی، اس پر یہ دونوں بزرگ بھی رونے لگے،

خلیفہ ہونے کے بعد آپ ایکبار حج کیلئے مکۂ معظمہ گئے، لوگوں کو خبر ہوئی تو آپ کی ملاقات کیلئے آئے، اور آپ کو خلیفۂ رسول کہہ کر سلام کیا، اتنی سی بات نے وفاتِ رسول کا غم تازہ کردیا آپ بے اختیار رونے لگے، کعبہ شریف کے طواف کو نکلے تو جو لوگ ملتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کرتے، اور آپ زار زار روتے،

یہ محبت اکطرفہ نہ تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لو کنت متخذا خلیلا من امتی لاتخذت ابابکر ولکن اخی وصاحبی (ترمذی) اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور دوست ہیں۔

احترام رسولؐ اس محبت کے ساتھ احترام کا یہ حال تھا کہ ایکبار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت فرمایا۔ انا اکبر او انت؟ یعنی عمر میں میں بڑا ہوں یا تم؟ چونکہ سوال میں "اکبر" کا لفظ تھا جو مرتبہ کی بڑائی کیلئے بولا جاتا ہے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے ازراہِ احترام ان لفظوں میں جواب دیا۔ انت اکبر واکرم وانا اسن منک بلند مرتبہ اور بزرگ تو آپ ہی ہیں البتہ عمر میری زیادہ ہے۔ (صدیق اکبر)

ایکبار حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جھگڑا کا فیصلہ کرنے کسی قبیلے میں گئے ہوئے تھے، نماز کا وقت ہوا تو موذن حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور

عرض کیا کہ آپ نماز پڑھا دیجئے۔ آپ نماز پڑھا رہے تھے کہ حضورؐ تشریف لائے، اور جماعت میں شریک ہو گئے، لوگوں نے تالیاں بجانی شروع کیں، حضرت ابوبکر متوجہ نہیں ہوئے، جب برابر تالیاں بجتی رہیں تو مڑ کر دیکھا کہ حضورؐ ہیں۔ حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ قائم رہو، حضرت ابوبکرؓ نے پہلے تو خدا کا شکر ادا کیا کہ حضورؐ نے میری امامت کو پسند فرمایا۔ پھر پیچھے ہٹ آئے، اور حضورؐ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز کے بعد حضورؐ نے پوچھا "میرے حکم دینے کے باوجود تم اپنی جگہ سے ہٹ کیوں آئے؟" بولے "ابوقحافہ کے بیٹے کا یہ منہ نہ تھا کہ رسول اللہؐ کے آگے نماز پڑھائے"۔

حضرت عائشہؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں، کبھی کبھی گھریلو معاملات میں حضرت عائشہؓ حضورؐ سے تیز لہجے میں کوئی بات بول دیتی تھیں، حضرت ابوبکرؓ کو یہ بھی گوارا نہ تھا، ایک بار آپ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز و تند لہجے میں باتیں کر رہی تھیں، حضرت ابوبکرؓ نے انھیں پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ سے چلا کر بولتی ہے، حضورؐ درمیان میں آ کر حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے، حضرت ابوبکرؓ غصے میں بھرے ہوئے باہر چلے گئے، ان کے جانے پر حضورؐ نے مسکرا کر حضرت عائشہؓ سے پوچھا "کیوں تمہیں کیسا بچا لیا؟"

کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ پھر خدمتِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا تو میاں بیوی بڑے میل جول سے تھے، حضرت ابوبکرؓ بولے، "مجھ کو اپنی صلح میں بھی شریک کر لیجئے، جس طرح اس دن میں نے لڑائی میں شرکت کی تھی"۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں ہاں۔ کیوں نہیں؟" (ابوداؤد)

اطاعتِ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اسلام لانے سے لے کر وفات تک کی پوری

۲۵ برس کی زندگی اطاعتِ رسولؐ کا پاکیزہ مرقع تھی، آپ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی حضورؐ کی اطاعت کا خیال رکھتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ اونٹ پر سوار ہوتے، مہار ہاتھوں سے گر جاتی تو کسی سے مہار اٹھانے کو نہ کہتے، اونٹ بٹھا کر اترتے اور خود مہار اٹھاتے، لوگ کہتے "حضرت آپنے حکم دیا ہوتا۔ ہم اٹھا دیتے، آپ نے اتنی زحمت کیوں اٹھائی ہے"۔ جواب دیتے "میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کسی انسان سے کچھ سوال نہ کروں"

اہلبیتِ رسولؐ سے محبت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے اہلبیت سے بھی خصوصی محبت رکھتے تھے، ایک بار حضرت سیدہ فاطمہؓ سے ملنے ان کے دولت خانہ پر تشریف لیگئے، حضرت علیؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ تذکرہ سنتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، (صدیق اکبر)

حضرت فاطمہ زہراؓ بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ایک بار حضرت ابوبکرؓ سے کچھ ناخوش تھیں لیکن حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کی محبت اور قدر و منزلت میں کوئی کمی نہ تھی، حضرت فاطمہؓ بیمار تھیں، حضرت ابوبکرؓ ان کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے، اور کہا۔ جب تک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی مجھ سے خوش نہ ہو جائیں گی میں یہاں سے واپس نہ جاؤں گا۔ یہ سن کر حضرت علیؓ اندر گئے اور فاطمہ زہراؓ کو قسم دے کر فرمایا۔ تم حضرت ابوبکرؓ سے خوش ہو جاؤ، چنانچہ آپ خوش ہوگئیں یعنی آپ کو حضرت صدیقؓ سے جو رنج تھا، آپنے اسے دور کر دیا۔ (مدارج النبوۃ)

ایک بار حضرت ابوبکرؓ نمازِ عصر پڑھ کر مسجدِ نبوی سے باہر نکلے تو حضرت حسنؓ محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، آپ نے انھیں اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا، اور آپ کی

زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکل گیا،

وابابی شبہ النبی لیس شبیہا بعلی

(میرا باپ تم پر قربان کہ رسول اللہؐ کے ہم شکل ہو علیؓ کے ہم شکل نہیں ہو)۔ حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے، وہ یہ سن کر ہنس پڑے۔ (مسند ابن حنبل)

حضرت فاطمہؓ کی وفات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ کے مکان پر گئے، جنازہ تیار ہو گیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے نمازِ جنازہ پڑھانے کو کہا، آپ نے کہا کہ آپ پڑھائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ آپ خلیفہ رسولؐ ہیں۔ آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے آپ نے امامت فرمائی۔ (صدیق اکبر)

مہمان نوازی | مہمان نوازی مسلمان کی ایک امتیازی صفت ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سبق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا، آپ جس درجہ مہمان نواز تھے اس کا اندازہ ایک ہی واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

ایک رات اہلِ صُفّہ میں سے تین آدمی حضرت ابوبکرؓ کے مہمان تھے، آپ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا تھا، آپ جاتے ہوئے گھر والوں کو ہدایت کر گئے کہ میرے آنے سے پہلے مہمانوں کو کھانا کھلا دینا، آپ کی ہدایت کے مطابق کھانا لا کر مہمانوں کے سامنے رکھا گیا۔ مگر انھوں نے کہا کہ جب تک صدیق اکبرؓ نہ آ جائیں گے ہم کھانا نہ کھائیں گے، اتفاق سے آپ کو واپسی میں بہت دیر ہو گئی، واپس آنے پر آپ کی بیوی نے پوچھا۔ آپ مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر اتنی دیر کہاں رکے رہے؟ آپ نے پوچھا۔ کیا تم نے ابھی تک ان لوگوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں۔ انھوں نے آپ کے واپس آنے سے پہلے کھانا کھانے سے انکار کر دیا، اس پر حضرت ابوبکرؓ بہت خفا ہوئے اور فرمایا۔ خدا کی قسم! میں بھی اس کھانے کو نہیں کھا

سکتا۔" آپ کی بیوی نے کہا: "تو خدا کی قسم! میں بھی نہیں کھاؤں گی" مہمانوں نے سنا تو کہا۔ پھر ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکرؓ کو اپنے قسم کھانے پر بہت افسوس ہوا، بولے۔ مجھ سے یہ شیطانی عمل سرزد ہو گیا۔ پھر آپ نے کھانا منگوایا اور مہمانوں کے ساتھ کھایا۔ (مشکوٰۃ۔ لطولہ)

ارشادات و نصائح

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خاص خاص مواقع پر جو خطبے دئے ہیں اور افسرانِ اسلام کو میدانِ جنگ کی طرف روانہ کرتے ہوئے جو نصیحتیں فرمائی ہیں وہ ارشادات و نصائح کے اعتبار سے حاصلِ کتاب و سنت ہیں، بہ نظرِ افادیت ہم ان کے کچھ حصے درج کرتے ہیں

(۱) حضرت اسامہ بن زیدؓ دامنِ رسالت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، ان کو بھی شام کی مہم پر روانہ کرنے لگے تو یہ ہدایتیں فرمائیں:-

"لوگو! ٹھہرو میں تم کو دس باتوں کی وصیت کرتا ہوں، لہٰذا تم ان کو یاد رکھو، خیانت نہ کرنا، فریب نہ دینا، سرکشی نہ کرنا، دشمن کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹنا، چھوٹے بچے، بوڑھے، اور عورت کو قتل نہ کرنا، کھجوروں کا درخت نہ کاٹنا نہ جلانا (دوسرے) پھلدار درخت بھی نہ کاٹنا، بکری، گائے اور اونٹ کھانے کے سوا کسی اور غرض سے ذبح نہ کرنا، تمہارا گذر ایسے لوگوں پر بھی ہوگا جنھوں نے اپنے کو عبادت گاہوں کیلئے خاص کر لیا ہوگا کہ ان کو عبادت کے سوا دوسرے معاملات سے تعلق نہیں، تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا۔".......

(۲) حضرت یزید بن ابی سفیان کو سپہ سالار فوج بنا کر شام بھیجنے لگے تو ان کے سامنے ایک طویل خطبہ دیا۔ ان کے بعض حصے یہ ہیں۔

"تم پر لازم ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ خدا تمہارے باطن کو مثل تمہارے ظاہر کے

دیکھتا ہے۔ خدا کے نزدیک لوگوں میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو اس سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے، اور لوگوں میں اللہ کا سب سے مقرب آدمی وہ ہے جو اپنے عمل کے ذریعہ اللہ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔"

"تم اپنے نفس کی اصلاح کرو تو لوگ تمہارے حق میں خود بخود درست رہیں گے، نمازوں کو ان کے صحیح وقتوں میں کامل رکوع و سجود اور خشوع کے ساتھ ادا کرنا"....

(۳) انھیں یزید بن ابی سفیانؓ کو شام کی روانگی کے وقت نصیحت فرمائی۔

"یزید! شام میں تمہارے اقرباہیں، ممکن ہے تم امارت کے معاملے میں ان کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دو، اور یہ سب سے بڑا اندیشہ ہے جو مجھ کو تم سے ہے کیونکہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا اور اس نے ازراہِ تعلق کسی کو مسلمانوں پر امیر مقرر کر دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہوگی پھر اللہ اس سے کوئی فدیہ اور کفارہ بھی قبول نہ فرمائے گا، یہاں تک کہ اسے داخلِ جہنم کر دے گا۔"

(۴) آپ کا ایک خطبہ بہترین موعظت پر مشتمل ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں تم کو اللہ سے ڈرنے کی تاکید کرتا ہوں، اور اس بات کی کہ تم اس طرح اللہ کی ثنا کرو جس کا وہ مستحق ہے اور خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ ایسا ہونا چاہیئے کہ اس سے رغبت رکھنے میں رہبت (خوف) بھی شامل ہو اور اس سے کوئی دعا مانگو تو گڑ گڑا کر، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے زکریا (علیہ السلام) اور ان کے اہلبیت کی تعریف میں فرمایا ہے کہ وہ نیکی کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے والے تھے، اور وہ ہم سے دعا مانگتے تھے تو رغبت اور رہبت کے ساتھ، اور وہ دل سے ہمارا ڈر رکھنے والے تھے! پھر اے اللہ کے بندو! تم یہ بھی جان لو کہ اللہ نے اپنے حق کے عوض تمہاری جانیں رہن کر لی ہیں، اور اس پر تم سے پختہ عہد لیا ہے اور قلیلِ فانی (حیاتِ دنیوی) کے

کے عوض تم کو کثیر باقی (حیاتِ اخروی) عطا فرمائی ہے، اور یہ جو خدا کی کتاب تمہارے درمیان ہے اس کے عجائب کبھی ختم ہونے والے نہیں اور نہ اس کی روشنی کبھی ماند پڑے گی، پس خدا کے فرمودات پر یقین رکھو اور اس کی کتاب سے فائدہ اٹھاتے رہو، خدا نے تم کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اور تم پر دو بزرگ کاتبین کو متعین کر دیا ہے جو وہ سب کچھ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ اگر تمہیں استطاعت ہو تو اپنا وقت اللہ کے کاموں میں لگے ہوئے پورا کیا کرو، اور یہ استطاعت خدا کی توفیق بخشی ہی سے مل سکتی ہے، تو اعمال میں سہولت سے قدم بڑھاتے چلے جاؤ۔ بہت سی قوموں نے اپنی میعادِ عمل اس اہتمام و لحاظ کے بغیر بسر کر ڈالی ہے، تو میں تمہیں ان کے جیسا ہونے سے روکتا ہوں، پس تم اپنی رفتار تیز کر دو۔ ہاں تیز سے تیز تر! کیونکہ تمہارے پیچھے ایک ایسا تعاقب کرنے والا لگا ہوا ہے جو نہایت تیز گام ہے،" (صدیق اکبر)

یہ خطبہ ایسا نہیں ہے جو ہمارے لئے محض پڑھ لینے کی چیز ہو، بلکہ پوری ہوش مندی سے عمل کرنے کی چیز ہے۔ یہاں پچھلے اوراق الٹ کر ایک بار پھر اس ہدایت کو پڑھ لیجئے جو آپ نے اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کو دی تھی جب وہ منصبِ خلافت پر مامور ہوئے۔

حضرتِ صدیقؓ کی ایک نصیحت

حضرت صدیقؓ کی نصیحتیں بڑی سبق آموز اور ایمان افروز ہوتی تھیں، بلحاظِ اختصار یہاں ایک نصیحت درج کی جاتی ہے۔

فرماتے ہیں۔ "پانچ تاریکیاں ہیں۔ اور ان کیلئے چراغ بھی پانچ ہیں۔ دنیا کی محبت ایک تاریکی ہے، اور اس تاریکی کیلئے چراغ تقویٰ ہے، گناہ ایک تاریکی ہے اور اس کا چراغ توبہ ہے، قبر ایک تاریکی ہے اور اس کا چراغ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، پلصراط ایک تاریکی ہے اور اس کا چراغ عملِ صالح ہے۔ آخرت ایک تاریکی ہے اور اس کا چراغ یقین ہے،" (منبہاتِ ابن حجر عسقلانی)

ALLAMA IQBAL LIBRARY
33274
۱۷۲
12-5-60
SRINAGAR

...ی حالات

حضرت ابوبکرؓ نے کئی شادیاں کی تھیں، چار بیویوں سے اولاد ہوئی تھی، تین بیٹے او تین بیٹیاں، بیٹیوں میں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ بہت مشہور ہوئیں اور بیٹوں میں محمدؓ اور عبدالرحمٰنؓ۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ساری دولت اللہ کی راہ میں خرچ کردی تھی، اس لئے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا، ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لیگئے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بھوک سے نڈھال پڑے ہوئے دیکھا۔ فرمایا تمہاری طرح میں بھی بھوکا ہوں، خلیفہ ہونے کے بعد آپ کا کھانا پہننا اور بھی معمولی اور سادہ ہوگیا تھا، بیت المال سے آپ کو دو چادریں ملتی تھیں وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو آپ انھیں واپس کرکے دوسری چادریں لے لیتے تھے، اپنے اور اپنے بیوی بچوں کیلئے بیت المال سے اتنا ہی خرچ لیتے تھے جتنا خلافت سے پہلے آپ کا خرچ تھا، پہلے اس وظیفے کی مقدار ہندوستانی سکے سے تقریباً ۳۵ روپئے ماہوار تھی، بعد میں اس میں کچھ اضافہ ہوگیا، لیکن اپنے انتقال کے وقت آپ نے اپنے پورے دورِ خلافت میں بیت المال سے جو کچھ لیا تھا اسے اپنے ترکے میں سے واپس کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر کا حلیہ حسب ذیل تھا۔

گورے چٹے دبلے پتلے آدمی تھے، دونوں رخسار پتلے ہوئے تھے، کمر ذرا خمیدہ تھی، تہمد کمر پر رک نہیں سکتا تھا، نیچے کھسک جاتا تھا، چہرے پر ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں، آنکھیں اندر کی طرف دھنسی ہوئی تھیں، پیشانی بلند، انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی تھے، پنڈلیاں اور رانیں پُر گوشت نہیں تھیں، قد موزوں تھا، مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ (طبری)

THE UNIVERSITY OF KASHMIR

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN.